ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

اگست 2022ء - محرم الحرام 1444ھ (جلد 20 شمارہ 01)

جلد 20 شمارہ 01

ماہنامہ التبلیغ راولپنڈی

اگست 2022ء - محرم الحرام 1444ھ

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد یونس — مفتی محمد ناصر — مولانا طارق محمود

فی شمارہ.....................35روپے

سالانہ.................400روپے

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر

محمد شرجیل جاوید چوہدری

ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

0323-5555686

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 400 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ وچھڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5702840

www.idaraghufran.org

Email: idaraghufran@yahoo.com

www.facebook.com/Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال..................سیلاب کی آمد، اور ہمارا کردار..............مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن(سورہ آلِ عمران: قسط29).........................امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے

لیے ایک جماعت کا وجود.. // // 5

درسِ حدیث .... برزخ وقبر کی حیات، اور جسم وروح کا تعلق(قسط10)... // // 16

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

سوشل میڈیا پر احادیث کے متعلق غیر محتاط رویہ..........................مولانا شعیب احمد 21

علم کے مینار:.......... امت کے علماء وفقہاء(قسط18).......مفتی غلام بلال 23

تذکرۂ اولیاء:..............................عمر رضی اللہ عنہ کے اہلِ بیت سے

تعلقات(تیسرا وآخری حصہ)..مولانا محمد ریحان 26

پیارے بچو!..........................وہڑے کی دوڑ.......................... // // 29

بزمِ خواتین ...امامت اور جماعت میں خواتین کے اختیارات(پانچواں حصہ)...مفتی طلحہ مدثر 31

آپ کے دینی مسائل کا حل...”عمل بالحدیث“ کا حکم(قسط18)...ادارہ 39

کیا آپ جانتے ہیں؟........................ تکرارِ جنازہ وانتقالِ

میت کی تحقیق(قسط1)..مفتی محمد رضوان 47

عبرت کدہ .... حضرت موسیٰ کا انتخاب برائے رسالت......مولانا طارق محمود 63

طب وصحت.....گوشت(Meat) کے طبی خواص وفوائد.........حکیم مفتی محمد ناصر 65

اخبارِ ادارہ .... ادارہ کے شب وروز........................... // // 67

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال

مفتی محمد رضوان

سیلاب کی آمد، اور ہمارا کردار

ہمارے ملک میں تقریباً ہر سال زیادہ بارشیں ہونے اور بطورِ خاص موسمِ برسات کی معمول سے زیادہ بارشوں کی صورت میں چھوٹے بڑے سیلاب کے اثرات سے غیر معمولی جانی ومالی نقصان پیش آتا ہے، کئی انسانی قیمتی جانوں کے علاوہ بے شمار قیمتی جانور اور مویشی ضائع ہوجاتے ہیں، بہت سی عمارتیں اور گھر برباد ہوجاتے ہیں، فصلیں تباہ ہوجاتی ہیں، اوپر سے قیمتی پانی بھی ضائع ہوجاتا ہے، جس کو چھوٹے، بڑے ڈیموں اور تالابوں وغیرہ میں محفوظ کر کے ملک کو درپیش اجتماعی اور دیرینہ مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے۔

جس کے بعد عین وقت پر رونا دھونا، اور مختلف قسم کی عارضی تدابیر واسباب کو اختیار کرنا، اور طرح طرح کے تبصروں وتجزیوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، کئی علاقوں میں ہیلی کاپٹر اور فوج کو بھی طلب کرنا پڑتا ہے، جس پر زرِ کثیر خرچ ہوتا ہے، مگر وقت گزرتے ہی آوازیں خاموش ہوجاتی ہیں، اور ایسا ہوجاتا ہے، جیسا کہ کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

اور یہ سلسلہ بار بار اور تقریباً ہر سال پیش آتا ہے، لیکن سیلاب سے حفاظت کی مستقل ظاہری تدابیر واسباب کو نہ تو حکومتی سطح پر خاطر خواہ اہمیت دی جاتی، نہ ہی عوام کی طرف سے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ہمارے یہاں کی حکومتی نااہلی کا مسئلہ تو کوئی نیا نہیں، حکمرانوں کو سرکاری خزانہ کو شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور فضول خرچیوں میں اڑانے اور بھتہ خوری وکرپشن کر کے عیاشیوں میں مبتلا ہونے کے لیے تو لامحدود پیسہ میسر آجاتا ہے، لیکن ڈیم بنانے، ندی، نالوں اور دریاؤں وغیرہ کی صفائی کے لیے نہ فنڈ میسر آتا، اور نہ ہی اس کام کے لیے فرصت ملتی۔

مگر اسی کے ساتھ ہماری نظر میں اس تباہ کاری میں زیادہ بڑا ہاتھ عوام الناس کا ہے، جو ہر طرح کی گندگی اور کوڑا کچرا، نالوں اور دریاؤں کے کناروں پر، بلکہ ان کے اندر پھینک پھینک کر پانی کی

www.idaraghufran.org

گزرگاہوں کو بند، یا تنگ کردیتے ہیں، اورندی، نالوں اور دریاؤں کے کناروں اوران کی حدود میں عمارتیں اورمکانات وغیرہ تعمیر کرلیتے اور بنالیتے ہیں، اور بعض تو پانی کی گزرگاہوں پر غاصبانہ قبضہ کرکے یہ مقصد حاصل کرتے ہیں، ہمارے یہاں کئی گاؤں اورسوسائٹیاں تک اس قسم کی آباد ہیں، جہاں پرکشش عمارتیں، دکانیں، بازاراور پلازے قائم ہیں، جس کے نتیجہ میں پانی کو لازماً متبادل راستہ اختیارکرنا پڑتا ہے، اور بارش کے پانی کے بہاؤ کی صورت میں وہ آبادی اور گھروں میں داخل ہوتا ہے، کئی مکانوں، عمارتوں اور قیمتی مال ودولت کو اپنے ساتھ بہا کرلے جاتا ہے، بعض لوگوں کی تو زندگی بھر کی کمائی، سیلاب کی نذرہوجاتی ہے، اوراس طرح علاقہ بھر کے مکینوں کو چھوٹے بڑے سیلاب کی تباہ کاریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اور قیمتی جان ومال سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے، جس کا زندگی بھرازالہ نہیں ہوپاتا۔

اور پھراس کے بعدحکومت، عوام کو، اورعوام، حکومت کوقصوروارٹھہرانے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

اس لیے جہاں حکومتی سطح پر سیلاب سے حفاظت کے لیے مستقل اسباب وتدابیر اختیارکرنے کی ضرورت ہے، اسی کے ساتھ عوامُ النّاس کوبھی اپنی ذمہ داریوں کوسمجھنےاورسمجھانے کی ضرورت ہے۔

اور جب تک ہمارے یہاں اصلاحِ معاشرہ کے لیےاجتماعی سطح اور بڑے پیمانہ پرشعور بیدارنہیں کیا جاتا، اس وقت تک شاید ہماری قوم کےاس طرح کے مسائل سے دوچار ہونےاوررونے دھونے کا سلسلہ ختم نہ ہو۔

ہمارے یہاں المیہ اور بدقسمتی یہ ہے کہ اس قسم کے معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کی تعلیم وتربیت اورذہن سازی کا اہتمام نہیں، رات دن میڈیا پرایک دوسرے کے خلاف تبصرے وتجزیےاورزبان درازی کرنے والےاگر کچھ وقت اصلاحِ معاشرہ کے لیےبھی مختص کریں، اورعلمائے دین بھی اہتمام کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوں، توامید ہے کہ معاشرہ کے بگاڑ کی اصلاح میں مدد حاصل ہو۔

اللہ کرے کہ حکومت، عوام اور ہمارے مقتدائے دین ودنیا اپنی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں، اوران پرعمل پیرا ہوں۔آمین۔

www.idaraghufran.org

درسِ قرآن(سورہ آلِ عمران: قسط29،آیت نمبر104) مفتی محمد رضوان

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے ایک جماعت کا وجود

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(سورة آل عمران،رقم الآية 104)

ترجمہ: اور ہونی چاہیے تم میں سے ایک جماعت، جو دعوت دے خیر کی طرف، اور حکم کرے معروف کا، اور منع کرے منکر سے، اور یہ لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں(104)

(سورہ آلِ عمران)

تفسیر وتشریح

سورہ آلِ عمران کی مذکورہ آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ خیر کی دعوت دینے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے باقاعدہ ایک جماعت ہونی چاہیے، اور پھر اس جماعت کے لوگوں کو فلاح اور کامیابی پانے والا قرار دیا گیا ہے۔

ایک جماعت ہونے کا یہ حکم عمومی نوعیت کا ہے، جس سے ایسی جماعت مراد ہے، جو دین کے وسیع تر احکام کا علم حاصل کرکے اپنے آپ کو اس کام کے لیے مختص کرے، ورنہ ہر شخص کو اپنی اپنی حسبِ نوعیت وحسبِ حیثیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے، اور اس کی قرآن وسنت میں بڑی تاکید آئی ہے۔

آگے آنے والی سورہ آلِ عمران کی ایک سو دس نمبر آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اس امت کی امتیازی صفت قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (سورة آل عمران،رقم الآية ١١٠)

ترجمہ: ہو تم بہترین امت، جسے نکالا گیا ہے، لوگوں کے (فائدہ) لیے، حکم کرتے ہو تم

www.idaraghufran.org

معروف کا،اور منع کرتے ہو تم منکر سے،اور ایمان لاتے ہو تم،اللہ پر(سورہ آلِ عمران)

اورسورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مومن مَرد اور خواتین کی منافقین کے مقابلہ میں یہی صفت بیان فرمائی ہے،جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ(سورة التوبة،رقم الآية ۷۱)

ترجمہ:اور مومن مرد اور مومن عورتیں،ان کے بعض دوست ہیں،بعض کے،حکم کرتے ہیں وہ معروف کا،اور منع کرتے ہیں وہ منکر سے،اور قائم کرتے ہیں وہ نماز کو،اور اداء کرتے ہیں وہ زکاۃ کو،اور اطاعت کرتے ہیں وہ اللہ کی،اور اس کے رسول کی،یہی لوگ ہیں کہ عنقریب رحم فرمائے گا ان پر اللہ،بے شک اللہ،عزیز ہے،حکیم ہے(سورہ توبہ)

اورحضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو،جن چیزوں کی وصیت فرمائی تھی،ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وصیت بھی شامل تھی،جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ(سورة لقمان،رقم الآية ۱۷)

ترجمہ:اے میرے بیٹے!قائم کرو تم نماز کو،اور حکم کرو تم معروف کا،اور منع کرو تم منکر سے،اور صبر کرو تم ان چیزوں پر جو پہنچیں تم کو،بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے(سورہ لقمان)

قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم مذکور ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ احادیث میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بڑی تاکید اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔

حضرت قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ :أَنَّهُ خَطَبَ فَقَالَ :يَا أَيُّهَا النَّاسُ ، إِنَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ هٰذِهِ الْآيَةَ ، وَتَضَعُوْنَهَا عَلٰى غَيْرِ مَا وَضَعَهَا اللّٰهُ "يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا

www.idaraghufran.org

عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ" سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ بَيْنَهُمْ ، فَلَمْ يُنْكِرُوْهُ ، يُوْشِكُ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ (مسند احمد،رقم الحديث ۵۳)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا،اور فرمایا کہ اے لوگو! تم (سورہ مائدہ کی) یہ آیت پڑھتے ہو کہ:

"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ"

"اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، کسی کا گمراہ ہونا تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر تم ہدایت پر ہو"

اور اس کا مطلب اللہ کی مراد کے خلاف لیتے ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ جو اپنے درمیان منکر (اور بُرائی) کو دیکھتے ہیں، پھر اُس پر نکیر نہیں کرتے ،تو قریب ہے کہ اللہ اُن سب کو عذاب کی لپیٹ میں لے لے (مسند احمد)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُدْهِنِ فِيْ حُدُوْدِ اللّٰهِ، وَالْوَاقِعِ فِيْهَا، مَثَلُ قَوْمٍ اِسْتَهَمُوْا سَفِيْنَةً، فَصَارَ بَعْضُهُمْ فِيْ أَسْفَلِهَا وَصَارَ بَعْضُهُمْ فِيْ أَعْلَاهَا، فَكَانَ الَّذِيْ فِيْ أَسْفَلِهَا يَمُرُّوْنَ بِالْمَاءِ عَلَى الَّذِيْنَ فِيْ أَعْلَاهَا، فَتَأَذَّوْا بِهِ، فَأَخَذَ فَأْسًا فَجَعَلَ يَنْقُرُ أَسْفَلَ السَّفِيْنَةِ، فَأَتَوْهُ فَقَالُوْا :مَا لَكَ، قَالَ :تَأَذَّيْتُمْ بِيْ وَلَا بُدَّ لِيْ مِنَ الْمَاءِ، فَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ أَنْجَوْهُ وَنَجَوْا أَنْفُسَهُمْ، وَإِنْ تَرَكُوْهُ أَهْلَكُوْهُ وَأَهْلَكُوْا أَنْفُسَهُمْ (صحيح البخاری، رقم الحديث ٢٦٨٦،كتاب الشهادات، باب القرعة فی المشكلات)

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی حدود (واحکام) میں مداہنت کرنے (یعنی دوسروں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرنے) والے اور ان میں واقع (یعنی اللہ کی حدود اور احکام کو توڑنے) والے ان لوگوں کی طرح ہیں، جنہوں نے ایک کشتی میں قرعہ اندازی کر کے (اپنا اپنا حصہ منتخب کیا) پس بعض کے حصہ میں کشتی کے نیچے والا حصہ

آیا(وہ اس حصہ میں بیٹھ گئے)اور بعض کے حصہ میں کشتی کے اوپر والا حصہ آیا(وہ اس حصہ میں بیٹھ گئے)پھر نیچے والے پانی کی ضروت کے لئے اوپر والوں کے پاس آنے لگے(تاکہ اوپر کھلی جگہ سے ڈول رسی وغیرہ کے ذریعہ کشتی کے باہر سے پانی لیں)جس سے اوپر والوں کو تکلیف ہوئی(پھر نیچے والوں میں سے)ایک شخص نے بسولہ لیا اور نچلے حصہ میں(سمندر اور پانی کی طرف)سوراخ کرنے لگا تاکہ اس سے پانی لے اور اوپر والوں کو(ہمارے اوپر جانے سے)تکلیف نہ ہو،تو اوپر والے لوگ اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے اس نے کہا کہ تم لوگوں کو میرے(اوپر آکر)پانی حاصل کرنے کی وجہ سے تکلیف ہوئی اور میرے واسطے پانی ضروری ہے،تو اگر ان(اوپر والے)لوگوں نے اس(کشتی میں سوراخ کرنے والے)کا ہاتھ پکڑ لیا(اور سوراخ کرنے سے روک دیا،تاکہ پانی کشتی کے اندر داخل ہوکر اس کو غرق نہ کرے)تو وہ اس کو بھی(غرق اور ہلاک ہونے سے)نجات دلا دیں گے،ور اپنے آپ کو بھی نجات دلا لیں گے،اور اگر اس کو چھوڑ دیں گے(اور سوراخ کرنے سے نہیں روکیں گے،اور سوراخ سے پانی کشتی کے اندر داخل ہوجائے گا)تو وہ اس(سوراخ کرنے والے)کو بھی ہلاک کریں گے،اور اپنے آپ کو بھی ہلاکت میں ڈالیں گے(بخاری)

مداہن اس کو کہا جاتا ہے،جو خود تو اگرچہ گناہ سے بچا ہوا ہو،لیکن دوسروں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھ کر باوجود قدرت ہونے کے منع نہ کرے،اور سکوت اختیار کرے۔

اس حدیث میں ایک مثال دے کر بتلا دیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے احکام پورے کرنے والے لوگ گناہ گاروں کی ضرورت پوری نہ کریں گے،جو کہ نہی عن المنکر ہے،تو گناہ گاروں کے گناہوں کے نتیجے میں آنے والے وبال میں وہ دوسروں کے ساتھ خود بھی ہلاک ہوں گے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ قَوْمٍ يَعْمَلُوْنَ بِالْمَعَاصِيْ وَفِيْهِمْ رَجُلٌ أَعَزُّ مِنْهُمْ وَأَمْنَعُ لَا يُغَيِّرُوْنَ إِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعِقَابٍ أَوْ قَالَ أَصَابَهُمُ الْعِقَابَ(مسند الإمام أحمد،رقم الحديث ١٩١٩٢)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جوقوم بھی گناہوں میں مبتلا ہوتی ہے،اوران میں ایک آدمی زیادہ عزت اورطاقت والا ہوتا ہے(جس کودوسروں پرقدرت حاصل ہوتی ہے، اور)وہ اُن کو گناہوں سے نہیں روکتا،تو اللہ عزوجل ان سب پر عام عذاب بھیجتا ہے(مسنداحمد)

مطلب یہ ہے کہ اگر قدرت کے باوجود دوسروں کو گناہ سے نہ روکا جائے،اور مداہنت اختیار کی جائے،توجو گناہ سے بچا ہوا ہے،لیکن باوجود قدرت کے دوسروں کونہیں روکتا،تو گناہ گاروں پر آنے والے وبال میں وہ بھی شریک ہوگا۔

وہ الگ بات ہے کہ آخرت میں دونوں اپنے اپنے نامۂ اعمال کے مطابق سزاوجزا پائیں گے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ (سنن الترمذی،رقم الحديث ٢١٦٩،ابواب الفتن)

ترجمہ:قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے،تم ضرور بالضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ وہ وقت قریب ہے کہ اللہ اپنی طرف سے عذاب بھیجے، پھرتم اللہ سے دعاء کرو،مگرتمہاری دعاء قبول نہ کی جائے(ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ :مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ، وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَدْعُونِی فَلَا أُجِيبُكُمْ، وَتَسْأَلُونِی فَلَا أُعْطِيكُمْ، وَتَسْتَنْصِرُونِی، فَلَا أَنْصُرُكُمْ(مسند الإمام أحمد ،رقم الحديث ٢٥٢٥٥)

ترجمہ: اے لوگو! بے شک اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو،اس سے پہلے کہ تم مجھ سے دعاء کرو،لیکن میں تمہاری دعاء قبول نہ کروں،اورتم مجھ سے سوال کرو،لیکن میں تمہیں عطاء نہ کروں، اورتم مجھ سے مدد طلب کرو، لیکن میں تمہاری مدد نہ کروں(مسنداحمد)

www.idaraghufran.org

جن احادیث میں صرف نہی عن المنکر چھوڑنے پر وعید سنائی گئی ہے، اور امر بالمعروف کا ذکر نہیں کیا گیا، ان میں ایسے معروفات کا ترک کرنا بھی داخل ہے کہ جن کا ترک کرنا منکر اور گناہ ہے، مثلاً ترکِ نماز، ترکِ روزہ وغیرہ۔

حضرت عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ، حَتّٰى يَرَوُا الْمُنْكَرَ بَيْنَ ظَهْرَانِيهِمْ، وَهُمْ قَادِرُوْنَ عَلٰى أَنْ يُنْكِرُوْهُ فَلَا يُنْكِرُوْهُ، فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ، عَذَّبَ اللّٰهُ الْخَاصَّةَ وَالْعَامَّةَ

(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٧٧٢٠)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ اللہ عام لوگوں کو خاص لوگوں کے (برے) عمل کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا، یہاں تک کہ لوگ اپنے درمیان منکر (گناہ وبرائی) کو دیکھ لیں، اور وہ اس کے منع کرنے پر قادر بھی ہوں، پھر وہ منع نہ کریں، پس جب وہ ایسا کرتے ہیں، تو اللہ خاص وعام پر عذاب بھیجتا ہے (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قِيلَ :يَا رَسُولَ اللهِ، مَتَى نَدَعُ الِائْتِمَارَ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؟ قَالَ " :إِذَا ظَهَرَ فِيكُمْ مَا ظَهَرَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، إِذَا كَانَتِ الْفَاحِشَةُ فِي كِبَارِكُمْ، وَالْمُلْكُ فِي صِغَارِكُمْ، وَالْعِلْمُ فِي رُذَالِكُمْ " (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٢٩٤٣)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کب چھوڑ دیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے اندر وہ چیزیں ظاہر ہوجائیں گی، جو بنی اسرائیل میں ظاہر ہوئی تھیں، جب فاحشہ (بے حیائی) تمہارے بڑے لوگوں (حکمرانوں، مالداروں، عہدیداروں) میں ظاہر ہوجائے، اور حکومت تمہارے چھوٹے لوگوں میں ہوجائے، اور علم تمہارے رذیل (نیچ) لوگوں میں ہوجائے (مسند احمد)

www.idaraghufran.org

مگر یہ جان لینا ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہر شخص پر اس کی قدرت اور وسعت کے مطابق لازم ہوتا ہے، جس کا آخری درجہ یہ ہے کہ اگر ہاتھ اور زبان سے بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس گناہ کو برا سمجھے، اور اس منکر کے ختم ہونے کی اللہ سے دعاء کرے۔

اور قدرت ہونے کی صورت میں اس کے ازالہ کی نیت رکھے، اور جہاں قدرت حاصل ہو، وہاں عملی طور پر اہتمام بھی کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِيْ أُمَّةٍ قَبْلِيْ إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّوْنَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُوْنَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۸۰ ”۵۰“ کتاب الایمان)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نبی بھی مجھ سے پہلے اپنی امت میں بھیجا گیا، تو اس کی امت میں سے کچھ لوگ حواری (مددگار) اور صحابی ہوا کرتے تھے، جو اپنے نبی کی سنت کو اختیار کرتے تھے، اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے، پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آجاتے تھے، جو کہ وہ بات کہتے تھے، جو کرتے نہیں تھے، اور وہ ایسے عمل کرتے تھے، جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا، پس ان ناخلف لوگوں سے (برائی کو روکنے کی) جس نے اپنے ہاتھ سے کوشش کی، تو وہ مومن ہے، اور جس نے ان سے اپنی زبان سے کوشش کی، وہ بھی مومن ہے، اور جس نے ان سے اپنے دل سے کوشش کی، تو وہ بھی مومن ہے، اور اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے (مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ

www.idaraghufran.org

فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِکَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ (مسلم، ج ا ص ٦٩، کتاب الایمان، باب بیان کون النهي عن المنكر من الإيمان الخ)

ترجمہ: تم میں سے جو شخص منکَر (گناہ وبُرائی) کو دیکھے، تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اُسے بدل دے، اور اگر اس کی طاقت وقدرت نہ ہوتو اپنی زبان سے بدل دے، اور اگر اس کی بھی طاقت وقدرت نہ ہو، تو اپنے دل سے بدل دے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے (مسلم)

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَانْـهَ عَـنِ الْـمُـنْـکَـرِ، فَـإِنْ لَّـمْ تُـطِـقْ ذٰلِکَ، فَـکُفَّ لِسَـانَکَ إِلَّا مِنَ الْخَيْرِ (مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۸۶۴۷)

ترجمہ: اور آپ نہی عن المنکر کریں، اور اگر آپ کو اس کی طاقت نہ ہو، تو اپنی زبان کو روکیں، سوائے خیر کی بات کے (مسنداحمد)

مطلب یہ ہے کہ اگر زبان سے نہی عن المنکر کی قدرت نہ ہو، تو زبان سے نہی عن المنکر نہ کریں، اور ایسی حالت میں زبان کو بری باتوں سے روکیں، اور اپنی زبان سے خیر کی باتیں، اور ذکر وغیرہ کریں۔

اور اسی وجہ سے قُربِ قیامت کے فتنوں کے دَور میں جبکہ زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکَر کی قدرت نہ رہے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتی اصلاح تک محدود رہنے کی تعلیم دی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

بَيْنَمَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- إِذْ ذَكَرَ الْفِتْنَةَ فَقَالَ إِذَا رَأَيْتُـمُ الـنَّـاسَ قَـدْ مَـرِجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَخَفَّتْ أَمَانَاتُهُمْ وَكَانُوْا هٰكَذَا . وَشَبَّکَ بَيْـنَ أَصَـابِـعِـهٖ قَـالَ فَـقُـمْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ كَيْفَ أَفْعَلُ عِنْدَ ذٰلِکَ جَـعَـلَـنِـيَ اللّٰهُ فِدَاکَ قَالَ اِلْزَمْ بَيْتَکَ وَامْلِکْ عَلَيْکَ لِسَانَکَ وَخُذْ بِمَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ وَعَلَيْکَ بِأَمْرِ خَاصَّةِ نَفْسِکَ وَدَعْ عَنْکَ أَمْرَ الْعَامَّةِ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۴۳۴۳)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردا گرد بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فتنے کا ذکر کیا، پھر فرمایا کہ جب لوگوں کے ساتھ عہد (ومعاہدوں) کی خلاف ورزی ہوگی، اور لوگوں کی امانتوں کو ہلکا سمجھا جائے گا (یعنی اُن کی ادائیگی کی اہمیت دِلوں میں نہ رہے گی) اور لوگ اس طرح (ایک دوسرے میں خلط ملط) ہوجائیں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُنگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کرلیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ ایسے وقت میں میں کیا طرزِعمل اختیار کروں؟

اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کریں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھر کو لازم پکڑلو، اور اپنی زبان کو اپنی ذات تک قابو میں رکھو، اور جو معروف (نیکی) دیکھو، اُسے اختیار کرو، اور جو منکر (بُرا کام) دیکھو، اُسے چھوڑ دو، اور اپنے اوپر اپنی ذات کے معاملات لازم رکھو، اور عام لوگوں کے معاملات کو اپنے سے چھوڑ دو (ابوداؤد)

یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ ''معروف'' سے ''نیک کام'' اور ''منکر'' سے ''برے کام'' مراد ہیں، جن کے درجات مختلف ہیں، ہر معروف ومنکر کو اس کے درجہ پر رکھ کر دعوت وتبلیغ کا حکم ہے، شریعت کا حکم حاصل کیے بغیر، اپنی طرف سے معروف ومنکر کو مقرر کرلینا درست نہیں، اور جن چیزوں میں مجتہدین کا اختلاف ہو، ان میں دوسرے مجتہد کے قول پر نکیر کرنا بھی درست نہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تفسیر ''معارفُ القرآن'' میں سورہ آلِ عمران کی مذکورہ آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''روکنے ٹوکنے کا معاملہ صرف اُن مسائل میں ہوگا جو اُمت میں مشہور ومعروف ہیں، اور سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں، اجتہادی مسائل جن میں اُصولِ شرعیہ کے ماتحت رائیں ہوسکتی ہیں، ان میں روک ٹوک کا سلسلہ نہ ہونا چاہیئے'' (معارف القرآن، ج ۲ ص ۱۴۲، سورہ آلِ عمران، آیت نمبر ۱۰۴، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

www.idaraghufran.org

مزید فرماتے ہیں:

اجتہادی اختلاف میں کوئی جانب منکرنہیں ہوتی کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ماتحت اس پرنکیر کیا جائے اور جب وہ منکرنہیں، تو غیر منکر پرنکیر خود امر منکر ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔

یہ وہ بات ہے جس میں آج کل بہت سے اہلِ علم بھی غفلت میں مبتلا ہیں، اپنے مخالف نظریہ رکھنے والوں پر تبرا اور سب وشتم سے بھی پرہیز نہیں کرتے، جس کا نتیجہ مسلمانوں میں جنگ وجدل اور انتشار واختلاف کی صورت میں جگہ جگہ مشاہدہ میں آرہا ہے، اجتہادی اختلاف، بشرطیکہ اصولِ اجتہاد کے مطابق ہو، وہ تو ہرگز آیت مذکور ''ولاتفرّقوا '' کے خلاف اور مذموم نہیں۔ البتہ اس اجتہادی اختلاف کے ساتھ جو معاملہ آج کل کیا جارہا ہے کہ اسی کی بحث ومباحثہ کو دین کی بنیاد بنالی گئی اور اس پر باہمی جنگ وجدل اور سب وشتم تک نوبت پہنچادی گئی، یہ طرزِ عمل بلاشبہ ''ولاتفرّقوا '' کی کھلی مخالفت اور مذموم اور سنتِ سلف، صحابہ وتابعین کے بالکل خلاف ہے، اسلافِ امت میں کبھی کہیں نہیں سنا گیا کہ اجتہادی اختلاف کی بناء پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو'' (معارف القرآن، ج۲ص۱۴۳، سورہ آلِ عمران، آیت نمبر۱۰۴، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ۱۴۱۱ہجری، جون 1991ء)

www.idaraghufran.org

صدقہ کے فضائل اور بکرے کا صدقہ

شرعی صدقہ پر مُرتّب ہونے والے عظیم فضائل وفوائد
صدقہ کی حقیقت ومفہوم اوراس کی مختلف صورتیں
شرعی صدقہ کے مقاصد اور مقبول صدقہ کی شرائط
صدقہ میں بے جاقیود اور فضول پابندیوں کے نقصانات
بکرے کے مروّجہ صدقہ کا شرعی حکم اور بکرے کے صدقہ
کرنے کی نیت کر لینے اور منت مان لینے کے بعد شرعی حکم
عبادتِ مالیہ سے متعلق شرعی وفقہی قواعد وضوابط

مصنّف
مفتی محمد رضوان

بسلسلہ: ارکانِ اسلام — اضافہ وتحقیق شدہ دوسرا ایڈیشن

زکاۃ کے فضائل واحکام

قرآن وسنت اور اسلامی فقہ کی روشنی میں زکاۃ کی فرضیت واہمیت
زکاۃ کے فضائل وفوائد، ترکِ زکاۃ کے نقصانات اور وعیدیں
زکاۃ کی اقسام، سونے چاندی، مالِ تجارت اور کرنسی کی زکاۃ
سائمہ جانوروں کی زکاۃ کے قدیم وجدید مفصل ومدلّل باحوالہ احکام
زکاۃ کے متعلق اہم امور ومسائل پر علمی وتحقیقی کلام

مصنّف
مفتی محمد رضوان

بسلسلہ اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام — اصلاح وترمیم شدہ جدید ایڈیشن

ماہِ محرمُ الحرام کے فضائل واحکام

اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام کے سلسلے میں ماہِ محرم الحرام کے فضائل واحکام
ماہِ محرمُ الحرام سے اسلامی سال کے آغاز وسنِ ہجری کا تعلق
دینی احکام میں اسلامی وقمری سَن وماہ کی اہمیت
دس محرم کے دن نفلی روزہ وغیرہ کی فضیلت واہمیت اوراس سلسلہ میں متفرق احکام

مؤلف
مفتی محمد رضوان

جلد 4
علمی وتحقیقی رسائل

(1)...خوارج سے متعلق احادیث کی تحقیق
(2)...کفار کے مخاطب بالفروع ہونے کا حکم
(3)...غیرُ اللہ کی نذر ونیاز وذبح کا حکم
(4)...رؤیتِ باری تعالیٰ
(5)...قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا حکم
(6)...خواب میں زیارتِ نبوی ﷺ کا حکم
(7)...محفلِ حُسنِ قرائت کا حکم

مصنّف
مفتی محمد رضوان

جلد 5
علمی وتحقیقی رسائل

(1)...پاکستان کی موجودہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کی شرعی حیثیت
(2)...مقدس اوراق کا حکم
(3)...قرآن مجید کو بغیر وضو چھونے کا حکم
(4)...خیرُ بقاعِ الارض کی تحقیق (یعنی شرعاً افضل ترین قطعۂ زمین کون سا ہے؟)

مصنّف
مفتی محمد رضوان

جلد 6
علمی وتحقیقی رسائل

(1)...مجالسِ ذکر اور اجتماعی ذکر
(2)...جمعہ کے دن دُرود پڑھنے کی تحقیق

مصنّف
مفتی محمد رضوان

جلد 7
علمی وتحقیقی رسائل

متبرک مقامات وآثار کے فضائل واحکام سے متعلق
13 علمی، فقہی وتحقیقی رسائل کا مجموعہ

مصنّف
مفتی محمد رضوان

جلد 8
علمی وتحقیقی رسائل

(1)...اجتہادی اختلاف اور باہمی تعصب
(2)...تفرّد کی حقیقت

مصنّف
مفتی محمد رضوان

جلد 12
علمی وتحقیقی رسائل

(1)...احادیث ختم نبوت
(2)...شَفَاعَةُ النَّبِيِّ لِأَبَوَيِ النَّبِيِّ

مصنّف
مفتی محمد رضوان

جلد 15
علمی وتحقیقی رسائل

(1)...حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم
(2)...سابِ رسول کی سزا، وتوبہ

مصنّف
مفتی محمد رضوان

جلد 16
علمی وتحقیقی رسائل

(1)...جمعہ کے لیے جلدی جانے کی فضیلت کا وقت
(2)...اذانِ جمعہ پر سعی کی تحقیق
(3)...بروز جمعہ، نماز جمعہ وظہر کے مخصوص مسئلہ کی تحقیق
(4)...جمعہ میں اذنِ عام وحاکم کی تحقیق
(5)...تعددِ جمعہ واذنِ عام کی حقیقت

مصنّف
مفتی محمد رضوان

جلد 17
علمی وتحقیقی رسائل

(1)...گاؤں میں جمعہ
(2)...عید کے دن مصافحہ ومعانقہ کا حکم
(3)...عید کے اہم مسائل
(4)...نمازِ عید، باجماعت اور تنہاء پڑھنے کا حکم

مصنّف
مفتی محمد رضوان

ملنے کا پتہ

کتب خانہ: ادارہ غفران، چاہ سلطان، گلی نمبر 17 راولپنڈی
فون: 051-5507270

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

برزخ وقبر کی حیات، اور جسم وروح کا تعلق (قسط10)

علامہ ابنِ قیم کا تیسرا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ کے شاگرد، علامہ ابنِ قیم ایک مقام پر فرماتے ہیں:

قبور الأنبياء من أطهر البقاع، وليس للنجاسة عليها طريق البتة، فإن الله حرم على الأرض أن تأكل أجسادهم فهم في قبورهم طريون (إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان،لابن القيم، ج ا ،ص۱۸۷ ،الباب الثالث عشر :في مكايد الشيطان التي يكيد بها ابن آدم)

ترجمہ: انبیائے کرام کی قبور، پاک ترین مقامات میں سے ہیں، اوران کے ناپاک ہونے کا کوئی مطلب نہیں، کیونکہ اللہ نے زمین پر اس چیز کو حرام قرار دے دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے اجسام کو کھائیں، پس وہ اپنی قبروں میں تروتازہ ہیں (اغاثۃ اللھفان)

علامہ ابنِ قیم نے یہ حکم، انبیائے کرام کی قبروں کے ان مقامات کے بارے میں بیان فرمایا ہے، جہاں ان کی تدفین کی جاتی ہے۔

اور ارواح کے متعلق اصول وقواعد سے یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ برزخ میں ہوتی ہیں، جس کی حدود اور اس کی نعمتیں وراحتیں، دنیا سے کہیں اعلیٰ وارفع ہیں، اور انبیائے کرام کی ارواح سب سے اعلیٰ مرتبہ ودرجہ پر ہوتی ہیں، جس کو ’’رفیقِ اعلیٰ، اعلیٰ علیین اور جنت‘‘ وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس لیے انبیائے کرام کے اجسام کے محفوظ رہنے کی بنیاد پر ایک اصولی اور متفق علیہ برزخی زندگی کا انکار کرنا درست نہیں۔

اسی طرح ’’قبور‘‘ یا ’’قبر‘‘ کے الفاظ سے ’’برزخ‘‘ کی نفی سمجھنا بھی درست نہیں، ورنہ تو جن بے شمار

www.idaraghufran.org

نصوص میں کافرومومن اور جہنمی وجنتی کے متعلق ’’قبر‘‘ یا ’’قبور‘‘ کے الفاظ آئے ہیں، ان میں بھی اس طرح کی تاویل کی ضرورت پیش آئے گی، جس سے سارا معاملہ بگڑکر رہ جائے گا۔

اورہم یہ بار بار واضح کر چکے کہ ’’برزخ‘‘ اور ’’قبر‘‘ کو دو متضاد چیزیں سمجھ کر احکام جاری کرنا، اور قبر، یا زمین کے اس حصے سے جہاں میت کے اجزاء، یا اس کا بدن ہو، وہاں عالمِ برزخ کے جملہ احوال کے جاری ہونے کو سمجھنا، دراصل عالمِ برزخ اور قبر کے مفہوم میں التباس ہے، جبکہ عالمِ برزخ میں اصل احوال روح پر جاری ہوتے ہیں، اور اللہ کی حسبِ مشیت جسم تک، دنیا والوں کے شعور سے ماوراء ہو کر سرایت کرتے ہیں۔

علامہ ابنِ قیم کا چوتھا حوالہ

علامہ ابنِ قیم اپنی تالیف ’’زادُ المعاد‘‘ میں فرماتے ہیں:

وبعد وفاته استقرت(روح رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم) فى الرفيق الأعلى مع أرواح الأنبياء -عليهم الصلاة والسلام -ومع هذا فلها إشراف على البدن وإشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه وبهذا التعلق رأى موسى قائما يصلى فى قبره ورآه فى السماء السادسة .ومعلوم أنه لم يعرج بموسى من قبره ثم رد إليه وإنما ذلك مقام روحه واستقرارها وقبره مقام بدنه واستقراره إلى يوم معاد الأرواح إلى أجسادها فرآه يصلى فى قبره ورآه فى السماء السادسة كما أنه صلى اللّٰه عليه وسلم فى أرفع مكان فى الرفيق الأعلى مستقرا هناك وبدنه فى ضريحه غير مفقود وإذا سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام ولم يفارق الملأ الأعلى ومن كثف إدراكه وغلظت طباعه عن إدراك هذا فلينظر إلى الشمس فى علو محلها وتعلقها وتأثيرها فى الأرض وحياة النبات والحيوان بها هذا

www.idaraghufran.org

وشأن الروح فوق هذا فلها شأن وللأبدان شأن وهذه النار تكون فى محلها وحرارتها تؤثر فى الجسم البعيد عنها مع أن الارتباط والتعلق الذى بين الروح والبدن أقوى وأكمل من ذلك وأتم فشأن الروح أعلى من ذلك وألطف (زاد المعاد لابن القيم، ج۳، ص ۳۶، فصل : الفرق بين من قال كان الإسراء بالروح وبين أن يقال كان الإسراء مناما)

ترجمہ: اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، آپ کی روح انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ رفیقِ اعلیٰ میں ہے، لیکن اس کے باوجود اس روح کو بدن سے اس طرح کا واسطہ اور تعلق ہے کہ جو آپ پر سلام کرتا ہے، اس کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں، اور اسی تعلق کی وجہ سے آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور ان کو چھٹے آسمان پر بھی دیکھا، اور یہ بات معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر سے اوپر لے جا کر واپس نہیں لوٹایا گیا، بلکہ وہ آپ کی روح کا مقام اور اس کا ٹھکانا تھا، اور ان کی قبر ان کے بدن کا مقام اور بدن کا ٹھکانا ہے، قیامت کے اس دن تک، جب ارواح کو اجسام کی طرف لوٹایا جائے گا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور چھٹے آسمان پر بھی دیکھا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیقِ اعلیٰ میں بلند مقام پر ٹھکانا ہے، اور آپ کا بدن آپ کی قبر میں موجود ہے، اور جب کوئی مسلمان آپ کو سلام کرتا ہے، تو آپ کی طرف آپ کی روح کو سلام کا جواب دینے کے لیے لوٹا دیا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ اعلیٰ علیین کی جماعت سے جدا نہیں ہوتے، اور جس کی سمجھ میں کثافت ہو، اور طبیعت میں اس بات کو سمجھنے سے اکھڑپن ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ سورج کے بلند مقام اور اس کے زمین میں تعلق اور تاثیر کو دیکھ لے، اور نبات اور حیوان کی زندگی کو دیکھ لے، جب کہ روح کی شان اس سے بلند تر ہے، اس کی الگ شان ہے، اور ابدان کی الگ شان ہے، اور آگ کے مقام اور اس کی حرارت، اپنے سے دور جسم پر اثر انداز

www.idaraghufran.org

ہوجاتی ہے،اور وہ تعلق جو روح اور بدن کے درمیان ہے، وہ ان چیزوں سے زیادہ قوی اور زیادہ کامل اور مکمل ہوتا ہے، پس روح کی شان اس سے بہت بلند اور بہت لطیف ہے(زادالمعاد)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ''رفیقِ اعلیٰ'' میں ہے، جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے تھے،اور آپ کی روح کا آپ کی قبر سے بھی تعلق قائم ہے۔

اور یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ انبیائے کرام کے اجسام وابدان، وفات کے بعد متغیر نہیں ہوتے،اور مٹی ان پر اثر انداز ہوکر، ان کو خراب نہیں کرتی۔

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا آپ کے جسمِ عنصری سے تعلق قائم ہے، جس کے نتیجہ میں وہ اپنی قبر میں اس طرح نماز بھی پڑھتے ہیں کہ ان کو اللہ کی طرف سے نماز کا مکلّف نہیں کیا جاتا۔

لیکن یہ سب کچھ بندوں کی نظر سے غائب اور عالمِ برزخ میں ہے،اور آپ کی یہ حیات ''برزخی'' ہے،اس لیے اس کی ''کیفیت و کنہ'' میں کھود کرید،اور کدوکاوِش درست نہیں، بلکہ کم علم لوگوں کے لیے طرح طرح کے شکوک وشبہات کا باعث ہے۔

علامہ ابنِ قیم کا پانچواں حوالہ

علامہ ابنِ قیم اپنی تالیف ''مدارجُ السالکین'' میں فرماتے ہیں:

قال اللّٰہ تعالی :(ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ أمواتا بل أحیاء عند ربھم یرزقون) (آل عمران) ، وقال تعالی :(ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ أموات بل أحیاء ولکن لا تشعرون) (البقرۃ) وإذا کان الشھداء إنما نالوا ھذہ الحیاۃ بمتابعۃ الرسل وعلی أیدیھم، فما الظن بحیاۃ الرسل فی البرزخ؟ (مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین، ج۳،ص ۲۶۴ ،فصل الحیاۃ الأولی حیاۃ العلم من موت الجھل

www.idaraghufran.org

وھی عشر مراتب)

ترجمہ:اللہ تعالیٰ کا (سورہ آلِ عمران میں)ارشاد ہے کہ تم ہرگز گمان نہ کرو ان لوگوں کو جواللہ کے راستہ میں قتل کر دئے جائیں کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس،ان کورزق دیا جاتا ہے۔

اوراللہ تعالیٰ کا (سورہ بقرہ میں)ارشاد ہے کہ نہ کہوتم اس کو جوقتل کر دیا جائے، اللہ کے راستہ میں ’’مردہ‘‘ بلکہ وہ زندہ ہیں،لیکن تم شعورنہیں رکھتے۔

اور جب شہداء نے اس حیات کورسولوں کی متابعت اوران کے ہاتھ پر پالیا،تو رسولوں کی برزخ میں حیات کے متعلق کیا گمان ہوگا؟(مدارج السالکین)

مذکورہ عبارت میں انبیاء کی حیات کے برزخی ہونے کی صاف تصریح ہے۔ (جاری ہے............)

www.idaraghufran.org

مقالات ومضامین مولانا شعیب احمد

سوشل میڈیا پر احادیث کے متعلق غیر محتاط رویہ

ایک باضمیر مسلمان اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جان بوجھ کر کوئی جھوٹی بات منسوب کرے یا آپ کی طرف نسبت کر کے کوئی جھوٹی حدیث بیان کرے۔ لیکن بے خبری اور لاعلمی میں یا بے دھیانی میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص نے ایک پوسٹ حدیث کے عنوان سے سوشل میڈیا پر ڈال دی اور لوگوں نے اس کو آگے شئیر کرنا اور پھیلانا شروع کر دیا، یہ جانے بغیر کہ وہ حقیقت میں حدیث ہے بھی یا نہیں۔

حالانکہ کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایسی پوسٹ جو حدیث کے عنوان سے شئیر کی جاتی ہے، وہ حقیقت میں حدیث ہوتی ہی نہیں۔ بلکہ کوئی عام سا قول یا روایت ہوتی ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے آگے پھیلا دیا جاتا ہے اور یہ نہیں سوچا جاتا کہ دنیا اور آخرت میں اس کے کیا نتائج رونما ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی جھوٹی بات کو منسوب کرنا کوئی معمولی اور ہلکی بات نہیں۔ یہ بہت بڑی جسارت اور اسلام کی نظر میں ایک سنگین جرم ہے۔ جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

> ”جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی، تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے“ (صحیح البخاری: حدیث نمبر:۱۰۹، کتاب العلم)

اور دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

> ”جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کی تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے“ (صحیح البخاری، حدیث نمبر:۱۲۹۱، کتاب الجنائز)

یہ تو ہوا آخرت کا معاملہ، باقی دنیا کا نقصان یہ ہوگا کہ ایک کم علم لیکن باعمل مسلمان کی نظر سے جب ایسی پوسٹ گزرے گی تو وہ اس کو دین کا حصہ سمجھتے ہوئے اس کی تبلیغ وترویج میں اپنا کردار ادا

www.idaraghufran.org

کرے گا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے گا، جبکہ حقیقت میں وہ فرمانِ رسول نہ ہوگا۔ نیز جو افراد اس پوسٹ کو حدیث سمجھ کر بغیر تحقیق کے آگے شیئر کرتے رہیں گے وہ بھی اس گناہ میں کسی قدر شریک ہوتے رہیں گے۔ گویا کہ اس فعل کے نتائجِ بد صرف ایک دو افراد تک محدود نہیں رہتے بلکہ کئی افراد اس کی لپیٹ میں آتے ہیں۔

پھر ایک جھوٹی بات تو کسی عام انسان کی طرف منسوب کرنا بھی غلط طرزِ عمل ہے۔ حتیٰ کہ ہر مذہب میں ہی اس فعل کو غلط تصور کیا جاتا ہے۔ یعنی کوئی بھی انسان خواہ وہ کسی بھی مذہب کا پیروکار ہو، یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی آدمی اس کا حوالہ دے کر لوگوں کے سامنے جھوٹی باتیں بیان کرتا پھرے۔ جب ایک عام انسان اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو بہت ہی بلند و بالا ہے۔

سوشل میڈیا پر جھوٹی احادیث کے پھیلنے کی ایک بنیادی وجہ بغیر تحقیق کے باتوں کو آگے نقل کر دینے کا طرزِ عمل ہے جو ہماری نظر میں بہت ہی ہلکا ہے۔ جبکہ اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

"آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کرتا پھرے" (مسند بزار، حدیث نمبر: ۸۲۰۱)

جیسے عام زندگی میں ہر بات کی تحقیق کیے بغیر اسے آگے پھیلانا اتنا برا ہے، ویسے ہی سوشل میڈیا پر کی گئی ہر پوسٹ کو سچ جان کر اور مستند (Authantic) سمجھ کر، بغیر تحقیق کے آگے شیئر کر دینا بھی اسی زمرہ میں داخل ہے۔ مذکورہ حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ کسی بات کو آگے نقل کرنے کے معاملہ میں ایک مسلمان کو بہت زیادہ احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ جب ایک عام سی بات کو بغیر تحقیق کے آگے نقل کرنے کے حوالے سے یہ تعلیم دی گئی ہے تو حدیثِ رسول کا مقام تو پھر بہت ہی اونچا ہے، اس کے متعلق تو اور بھی حساس اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

لہٰذا جب بھی کوئی پوسٹ حدیث کے عنوان سے سوشل میڈیا پر نظر آئے تو اس کو آگے پھیلانے سے پہلے اس کے حوالہ کی تصدیق کر لینی چاہیے اور اس کی سند وغیرہ بھی دیکھ لینی چاہیے۔ اگر کوئی خود سے یہ کام نہ کر سکے تو فنِ حدیث کے محققین اور اس فیلڈ کے ماہرین سے تحقیق کروا لینی چاہیے تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ بات حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے بھی یا نہیں۔

www.idaraghufran.org

علم کے مینار مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

امت کے علماء وفقہاء (قسط18)

ہر دور میں اہل علم حضرات نے مختلف موضوعات پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی ہیں، تفسیر، فقہ وحدیث، تاریخ و فلسفہ اور طب و حکمت، غرضیکہ ایسا کوئی عنوان نہیں کہ جس پر ہمیں قدیم علمی سرمائے کے انفرادی و مجموعی کاوشوں کے حیرت انگیز مجموعے نہ ملتے ہوں، جن میں مختصر وضخیم ہر طرح کے مجموعات شامل ہیں، جو کہ کسی ''**دائرۃُ المعارف**'' اور ''انسائیکلوپیڈیاز'' سے کم نہیں، اور اگر ان کو دورِ جدید کی اصطلاحات میں انسائیکلوپیڈیاز بھی نہ کہیں، تب بھی یہ مجموعات اپنی جامعیت اور وسعت کے لحاظ سے وہی ضرورت پوری کرتے ہیں، جو آج کے دور کے انسائیکلوپیڈیاز پوری کرتے ہیں، فرق صرف طرزِ تصنیف وتالیف کا ہے، وگرنہ اپنی جامعیت ووسعت میں اپنی مثال آپ ہیں۔

اور یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ دورِ جدید اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے فقہ اسلامی کے حوالے سے یہ رجحان جو سامنے آیا ہے کہ پوری ''فقہ اسلامی'' کو الف بائی ترتیب سے موسوعہ اور انسائیکلوپیڈیا کی شکل میں مرتب کیا جائے، اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ حضرات جو فقہ اسلامی کی کتب سے ممارست نہیں رکھتے، اور نہ ہی انہیں فقہی کتب کے ابواب ومسائل کی ترتیب معلوم ہے، وہ اس جدید فقہی طرز سے بآسانی استفادہ کرسکیں، اور نئے پیش آمدہ مسائل کا بآسانی حل میسر آسکے۔ وگرنہ ان کا مقصد قدیم طرز تصنیف وتالیف سے خروج، یا ان کو پس پشت ڈالنا دینا ہرگز نہیں، بلکہ ان ''دائرۃُ المعارف'' اور انسائیکلوپیڈیاز کی تیاری بھی ان قدیم فقہی ذخیروں اور مجموعات کو سامنے رکھ کر ہی کی جاتی ہے۔

اسی تناظر میں بہت سے ضخیم فقہی موسوعات اور انسائیکلوپیڈیاز مرتب کیے گئے، تجاویز پیش کی گئیں، جن میں سے بہت سوں پر تاحال کام جاری ہے، جبکہ کچھ شائع ہوکر منظرِ عام پر بھی آچکے ہیں، جیسا کہ ''فتاویٰ ہندیہ، **مجلۃ الاحکام العدلیہ**'' اور ''**الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ**'' وغیرھا

www.idaraghufran.org

ذلک،جن کا تفصیلی ذکر وتعارف گزشتہ اقساط میں گزر چکا ہے، ذیل میں اسی سلسلہ کی ایک اور مفید فقہی کاوش کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(3)......الفقهُ الاسلامي و أدلتهٗ للزحيلي

موجودہ زمانے میں ''فقہ اسلامی'' کے مختلف مسالک اور مکاتبِ فکر کے تقابلی مطالعے (Comparative Study) کا رجحان اہلِ علم کے حلقوں میں کافی بڑھ گیا ہے، جس میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ فقہ اسلامی کے مختلف ابواب میں فقہاء کے بنیادی اختلافات اور اختلافی مقدمات سے آ گاہی ہو۔اور اس رجحان کے پیدا ہونے کی بنیادی وجہ علمی حلقوں کا عصر حاضر کے پیدا کردہ نت نئے مسائل میں کسی خاص مکتبِ فکر کے بجائے، فقہ اسلامی کے چاروں مکاتب کو سامنے رکھ کر ان مسائل کا آسان اور ''أقرب إلى الصواب'' حل نکالنے کی کوشش کرنا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا فقہ اسلامی کے تقابلی مطالعے پر مفید تصانیف منظر عام پر آ گئیں۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور ومعروف کتاب نامور فقیہ جناب ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی رحمہ اللہ (متوفیٰ: 2015ء) کی مایہ ناز تصنیف ''الفقهُ الاسلامي و أدلتهٗ''ہے، جس میں مصنف رحمہ اللہ نے ''اُدلہ شرعیہ'' فقہ کے تمام ابواب میں مذاہب اربعہ اور ان کے دلائل وآراء کے بیان کا اہتمام کیا ہے، اور اس ضمن میں احادیثِ نبویہ کی تحقیق وتخریج بھی شامل کی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ بیسوی صدی کے ایک نامور عالمِ دین، ماہر قانون اور عظیم فقیہ تھے، انھوں نے فقہ کے میدان میں اپنی غیر معمولی خدمات پیش کیں، فقہ اسلامی میں آپ کا کام کافی وسیع اور اہم ہے، آپ کی زندگی کا سب سے اہم اور گراں قدر علمی کارنامہ مصنف کی مذکورہ تالیف ''الفقهُ الاسلامي و أدلتهٗ''ہی ہے، یہ کتاب ''فقہ مقارن'' پر ایک انوکھا اور منفرد علمی کام ہے۔

اس کتاب کا مقصد تالیف یہ ہے کہ ''مجمعُ الفقه الاسلامي ''کے چوتھے اجلاس منعقدہ جدہ، بتاریخ 6 تا 11 فروری 1988ء میں فقہ کو آسان زبان میں مرتب کرنے کے ایک منصوبے کی منظوری دی گئی، چنانچہ علامہ وہبہ زحیلی نے تنِ تنہا اس عظیم کام کو سرانجام دینے کے لیے کمر کس لی، اور ایک جماعت کا کام اکیلے ڈاکٹر صاحب موصوف نے انجام دیا، یہ ان کی قابلیت، قبولیت اور

www.idaraghufran.org

علمیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ایک اور اہم سبب یہ بھی ہے کہ اہل یورپ کے ریاستی قوانین کے آگے ہاتھ پھیلانے کے بجائے مختلف فقہی مذاہب سے استفادہ کیا جائے ،اسی ضرورت کے پیش نظر مصنف نے قوانین شرعیہ کا یہ عظیم ذخیرہ مرتب کیا ہے۔

جلدیں اور ابواب

دراصل مؤلف کی یہ کتاب " الفقهُ الاسلامی و ادلتهٗ" ایک عظیم فقہی سرمایہ اور فقہی انسائیکلو پیڈیا ہے، یہ فقہی مجموعہ گیارہ (11) ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، آخری جلد میں فہرست دی گئی ہے، بقیہ دس جلدیں فقہی مباحث سے معمور ہیں۔

کتاب کی ترتیب انوکھی اور دلکش ہے، مصنف نے فقہی مباحث کو اولاً "اقسام" میں تقسیم کیا ہے، پھر ہر قسم کو "ابواب" پر، اور ہر باب کو مختلف "فصول" پر تقسیم کیا ہے، ہر فصل کے تحت "مباحث" اور مباحث کے ذیل میں "انواع" اور "مقاصد" کو بسط وتفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

جیسا کہ "القسم الاول: العبادات، الباب الاول: الطهارات، الفصل الاول: الطهارة، المبحث الاول: معنى الطهارة"۔وغیرها ذالک۔

چنانچہ علمی اور فقہی ذوق رکھنے والوں کیلئے یہ ترتیب عمدہ ودلکش اور دماغ کو اپنی طرف موہ لینے والی ہے۔

مصنف نے فقہی مباحث میں جہاں بھی فقہاء کا اختلاف آیا ہے، اسے بالاستیعاب بیان کیا ہے، عموماً اولاً حنفیہ کی رائے کو بیان کیا ہے، ثانیاً مالکیہ کی رائے، ثالثاً شافعیہ کی رائے کو، رابعاً حنابلہ کی رائے کو، مذاہبِ اربعہ کے بعد اگر مسئلہ مذکورہ میں شیعہ فرقوں کی کچھ آراء ہوں، تو ان کو بھی بیان کیا ہے، مصنف نے مذاہب کی ترتیب میں زمانہ کی تقدیم وتاخیر کو پیشِ نظر رکھا ہے، ہر مذہب ورائے کو مدلل اور محققانہ انداز سے بیان کیا ہے، اور بعض دفعہ اپنی رائے کے مطابق مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کے مطابق فقہی مسئلہ کو راجح قرار دیا ہے۔

الفقهُ الاسلامی وادلتهٗ کا اردو ترجمہ مولانا مفتی ارشاد احمد اعجاز اور مفتی ابرار حسین صاحب سمیت دیگر تین چار حضرات نے کیا ہے، جو کہ دارالاشاعت کراچی سے شائع ہو چکا ہے، کتب خانوں اور انٹرنیٹ پر بآسانی دستیاب ہے۔

www.idaraghufran.org

تذکرۂ اولیاء　حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (قسط69)　مولانا محمد ریحان

اولیاءِ کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

عمر رضی اللہ عنہ کے اہلِ بیت سے تعلقات (تیسرا وآخری حصہ)

بنونضیر سے حاصل ہونے والے مالِ فیئ کے بارے میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا باہمی نزاع ہوا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملے کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا کہ نہ تو آپ کے فیصلے سے شرعی حکم پر کوئی آنچ آئی، اور حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما واہلِ بیت کے ساتھ بھی کسی قسم کا کوئی خلفشار پیدا نہ ہوا۔

چنانچہ مالک بن اوس فرماتے ہیں کہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیغام لے کر ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلایا ہے۔ حضرت مالک فرماتے ہیں کہ میں اس کے ساتھ چل دیا، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ کھجور کی رسی کی بنی ہوئی چارپائی کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ چارپائی پر کوئی بچھونا وغیرہ نہ تھا۔ چمڑے کے ایک تکیہ پر آپ رضی اللہ عنہ نے ٹیک لگائی ہوئی تھے۔ میں آپ رضی اللہ عنہ کو سلام کر کے آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے مالک! میرے پاس تمہاری قوم کے کئی گھرانوں کے لوگ آئے ہیں۔ میں نے انہیں کچھ مال دینے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا تم مال لے کر ان میں تقسیم کر دو۔ میں نے کہا کہ اے امیر المومنین! اگر آپ میری جگہ دوسرے کو اس کام کے لیے مکلّف کرتے تو بہتر ہوتا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کہ اے اللہ کے بندے! اس مال کو لو اور تقسیم کر دو۔ حضرت مالک فرماتے ہیں کہ ابھی میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کا دربان یرفا آ گیا، اور اس نے کہا کہ حضرت عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کیا انہیں آنے کی اجازت ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں آنے دو۔ وہ سب اندر آئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ یرفا تھوڑی دیر بعد آیا اور کہنے لگا کہ حضرت علی اور

www.idaraghufran.org

عباس رضی اللہ عنہما بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔کیا انہیں بھی اجازت ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں آنے دو،وہ دونوں اندر آئے۔سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین !میرے اور ان یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان فیصلہ کردیجیے۔حضرت مالک فرماتے ہیں کہ دراصل ان دونوں کا نزاع اس مالِ فے کے بارے میں تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو نضیر سے ملا تھا۔چنانچہ جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے تھے انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین !ان دونوں کا فیصلہ کرکے معاملہ ختم کردیجیے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ لوگ اطمینان رکھیں۔میں تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں۔کیا تمہیں یہ فرمانِ رسول معلوم ہے کہ ”لا نورث ماتر کنا صدقة“ ”ہم انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے“۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کو مراد لے رہے تھے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پوری جماعت نے اقرار کیا کہ جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے۔پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تم دونوں سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ بتاؤ کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا تمہیں علم ہے؟انہوں نے اقرار کیا کہ جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے۔پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب میں تمہیں اس سلسلہ میں بتلاتا ہوں کہ اللہ نے اس فے کا کچھ حصہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص کردیا،اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کا حق نہیں بتایا۔پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (سورة الحشر رقم الآية 6)

اور جو اللہ نے ان میں سے اپنے رسول پر لوٹایا تو تم نے اس پر نہ کوئی گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو غالب کردیتا ہے،جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر

www.idaraghufran.org

خوب قادر ہے“

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ مال خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تھا۔اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تمہارے علاوہ دوسروں کو نہیں دیا۔نہ تم پر دوسروں کو ترجیح دی۔تمہیں کو دیا اور تمہی میں عام کیا۔یہاں تک کہ اس میں سے اتنا مال بچ گیا،اور اس باقی ماندہ مال سے اللہ کے رسول اپنے گھرانے کا سالانہ خرچ چلاتے تھے۔اور اس سے جو بچ جاتا تھا اسے اللہ کے راستہ میں وقف کر دیتے تھے۔اللہ کے رسول نے پوری زندگی اسی پر عمل کیا۔میں اللہ کا واسطہ دے کر آپ لوگوں سے پھر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ لوگوں کو یہ سب کچھ معلوم نہیں ہے؟انہوں نے کہا کہ ہاں معلوم ہے۔پھر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے مخاطب ہو کر آپ نے یہی بات کہی کہ تم دونوں سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ سب تم جانتے ہو؟ان دونوں نے کہا کہ ہاں ،ہم جانتے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وفات دے دی،پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں۔اللہ کی قسم! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے قبضہ میں رکھا اور اس میں سے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے انہوں نے بھی وہی کیا۔اللہ خوب جانتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے عمل میں سچے،نیک اور ہدایت والے اور حق کی پیروی کرنے والے تھے۔پھر اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی وفات دے دی،اور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہوا۔اپنی مدتِ خلافت میں دو سال تک میں نے اسے اپنے قبضہ میں رکھا اور اس میں وہی کام کرتا رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں ،ہدایت پر ہوں اور حق کے تابع ہوں۔پھر تم دونوں میرے پاس اپنا مقدمہ لے کر آئے،اور تم دونوں کا مطالبہ اور معاملہ ایک ہی ہے۔میری رائے یہ ہے کہ میں تم دونوں کو وہ مال اس شرط پر حوالے کر دوں کہ تم اس میں ویسا ہی تصرف کرو گے،جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم،ابوبکر رضی اللہ عنہ اور میں نے اپنے دور میں کیا۔آپ رضی اللہ عنہ نے سب کے سامنے ان دونوں سے حلفاً وہ مال ان کے سپرد کر دیا،اور کہا کہ اگر تم سے اس مال کا بندوبست نہیں ہو سکتا تو مجھ کو پھر واپس دے دینا۔

(صحیح مسلم ج ۳ص ۱۳۷۷ رقم الحدیث ۴۹(۱۷۵۷)کتاب الجھاد والسیر،باب حکم الفیء)

www.idaraghufran.org

پیارے بچو! مولانا محمد ریحان

وہڑے کی دوڑ

پیارے بچو! میں چھوٹا تھا عید کے دن قریب آرہے تھے۔بقرہ عید جسے بڑے عیداور عیدالاضحیٰ اور عید الضحیٰ بھی کہا جاتا ہے،آنے والی تھی۔ابھی عید کے آنے میں بیس دن باقی تھے۔جیسے جیسے عید نزدیک آتی جاتی ہے،ویسے ویسے قربانی کے جانور،بکرا،وہڑہ،دنبہ،گائے وغیرہ ہر جگہ نظر آنے لگتے ہیں۔مجھے بھی شوق تھا کہ ہم ایک وہڑہ لائیں۔کبھی کبھی تو میں ان سوچوں میں گم ہوجاتا:

''ہمارا وہڑہ آئے گا.......میں اسے چارہ ڈالوں گا.......اس کو پانی پلاؤں گا.....اسے نہلاؤں گا....''

مگر یہ سب تو اس وقت ہوتا جب قربانی کا جانور ہمارے گھر میں ہوتا۔قربانی کا جانور تو نہیں تھا،مگر خیالات اور دماغ اسی طرف مگن رہتے اور گم رہتے تھے۔بالآخر وہ دن آہی گیا،جب ہمارے تایا ابا نے ایک دن کہا:

''آج ہم منڈی جارہے ہیں۔''

یہ سنتے ہی میں نے زور زور سے چھلانگ لگانا شروع کردی،اور اپنے تایا ابا کو کہنے لگا:

''میں بھی منڈی جاؤں گا۔''

تایا ابا کے ہزار سمجھانے کے باوجود میں نہ مانا،اور بالآخر ان کی سٹارٹ گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔اسلام آباد منڈی اس وقت آئی جے پی روڈ کے پاس ہی لگا کرتی تھی۔جیسے تیسے کر کے منڈی پہنچ تو گئے۔مگر وہڑے کی خریداری سے پہلے ایک مشن ابھی باقی تھا۔اور وہ مشن منڈی میں جانوروں کی لاتوں اور سینگوں کی ٹکروں سے بچ کر وہڑے کو خریدنا تھا۔منڈی کے درمیان پہنچنا ہی ایسا معلوم ہورہا تھا کہ جیسے امتحانی ہال میں استاذ اسٹیج پر بلائے،اور ڈانٹ کر واپس اپنی جگہ پر جانے کو کہے،تو جیسے پچاس کرسیوں پر بیٹھے لوگوں کو کراس کر کے جانے میں جو صورتِ حال ہوتی ہے،ویسی ہی صورت اس وقت میری تھی،جب دائیں طرف والے وہڑے کی لات سے بچتے ہوئے،بائیں کے کمر سے جا کر ٹکرا دیے،تو بالکل آسمان سے گرے اور کھجور میں لٹکنے والی مثال یاد

www.idaraghufran.org

آتی رہی۔

اب ایک اچھی گول مٹول خوبصورت وہڑی پسند تو آ گئی،مگر دوسرا مشن اس وہڑی کا سودا کرنا تھا۔بیوپاری سر پر پرانا اور پراگندہ دھوتی لپیٹے،ڈھیلے مگر میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔اس کا چہرے کی کھال خشکی کے مارے مرجھائی ہوئی تھی۔پرانے کھسے،گوبر میں لدے ہوئے اس کے سیاہ رنگ کے پاؤں میں بہت ہی بھدے معلوم ہو رہے تھے۔بیوپاری سے تایا ابا نے کہا:

''ایدا کیئ مول لایا نے؟''

بیوپاری نے اپنے علاقائی انداز میں جواب دیا:

''جو سونڑا لگدا اے،دیو،اور لے جاؤ''

پندرہ بیس منٹ تک بحث ومباحثہ کے بعد بالآخر سودا طے پا گیا۔تایا ابا پیسے گننے میں مصروف تھے۔اور میرا بار بار بیوپاری اور تایا ابا سے ایک ہی سوال تھا کہ کیا وہڑی شریف ہے؟ کیونکہ مجھے اسے بالآخر گھمانا پھرانا بھی تو تھا۔تایا ابا نے بیوپاری سے کہا:

''منڈا پچھدا اے،وہڑی شریف اے؟''

بیوپاری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''ہاں جی نواز شریف اے۔''

یہ کہتے ہوئے بیوپاری نے مجھے وہڑی کی رسی تھما دی،اور خود پیسے گننے میں مصروف ہو گیا۔جس جگہ میں وہڑی کی رسی پکڑے ہوئے کھڑا تھا،وہ قدرے اونچی تھی،وہاں سے واپسی کے راستے ہلکی سی ڈھلوان اتر رہی تھی۔جب واپس ہوئے تو وہڑی نے اس ڈھلوان سے اترتے ہی دوڑ لگا دی۔میں نے وہڑی کی رسی کو اپنے ہاتھ میں رول کر کے لپیٹا ہوا تھا۔رسی تو میرے ہاتھ سے نکلی نہیں،اور میری اتنی رفتار نہیں تھی کہ میں وہڑی کے ساتھ دوڑ پاتا۔بس میں الٹا ٹانگوں کے بل وہڑی کے ساتھ ساتھ گھسٹتا چلا گیا۔میری شلوار کے پائنچے کالے سیاہ ہو چکے تھے۔اور میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔سامنے ایک ٹرالی کھڑی تھی،جسے دیکھ کر وہڑی رک گئی۔پیچھے سے تایا ابا اور چچازاد دوڑتے چلے آئے اور مجھے اٹھایا۔پھر اس کے بعد آج تک مجھے وہڑہ گھمانے یا پھرانے کا شوق نہ ہوا۔

www.idaraghufran.org

بزمِ خواتین (عورت کا تقدس اور حقوق نسواں کا فریب: قسط57) مفتی طلحہ مدثر

امامت اور جماعت میں خواتین کے اختیارات (پانچواں حصہ)

معزز خواتین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور اور اس کے بعد صحابہ کرام کے دور میں بھی خواتین کے باجماعت نماز میں شریک ہونے کا عام معمول تھا، البتہ اس دور میں بھی خواتین کا چند ہدایات اور آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے باجماعت نماز میں شریک ہونے کا معمول تھا ،جن کا ذکر احادیث وروایات میں موجود ہے، چنانچہ ذیل میں ایسی چند ہدایات ملاحظہ فرمائیں۔

خواتین کے جماعت میں شریک ہونے کے آداب

(ا)......: نماز کے بعد جلد لوٹ جانا

احادیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ مسجدِ نبوی میں نماز باجماعت میں شریک ہونے والی خواتین کا یہ معمول تھا، کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیر دینے کے بعد جلد اٹھ کر چلی جاتیں تھیں، جبکہ مرد حضرات کچھ دیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ٹھرے رہتے تھے، اور کچھ دیر بعد اٹھتے تھے، چنانچہ حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النِّسَاءَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ، قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلّٰى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللّٰهُ، فَإِذَا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَامَ الرِّجَالُ (بخاری، رقم الحدیث ۸٦٦)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب عورتیں فرض نماز کا سلام پھیر لیتی تھیں، تو وہ کھڑی ہو جاتی تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نماز پڑھنے والے مرد حضرات جتنا اللہ چاہتا، وہ ٹھہرے رہتے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے، تو دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو جاتے تھے (بخاری)

www.idaraghufran.org

اور سنن ابنِ ماجہ میں حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِيْنَ يَقْضِيْ تَسْلِيْمَهٗ، ثُمَّ يَلْبَثُ فِيْ مَكَانِهٖ يَسِيْرًا قَبْلَ أَنْ يَقُوْمَ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٩٣٢)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا سلام پھیرتے تھے، تو خواتین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑی ہو جاتی تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کھڑے ہونے سے پہلے تھوڑی دیر ٹھہر جاتے تھے (ابن ماجہ)

اس زمانہ میں مسجد نبوی میں مردوں وخواتین کی صفوں میں کوئی پردہ یا حائل نہیں ہوتا تھا، اور خواتین کی صفیں بھی مردوں سے پیچھے ہوتی تھیں، اس لیے خواتین پہلے اٹھ جاتی تھیں، تا کہ مردوں کے لیے بھی مسجد سے نکلنے میں آسانی پیدا ہو جائے، اور نکلتے وقت ہجوم کی کیفیت پیدا نہ ہو۔

(۲)......: چادر لپیٹ کر حاضر ہونا

مسجد میں باجماعت حاضر ہونے کے دوران خواتین کا ایک معمول یہ بھی تھا، کہ وہ پردے کی غرض سے اچھی طرح چادر لپیٹ کر مسجد میں حاضر ہوتی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلٰى بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلَاةَ، لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ (صحيح البخاری، رقم الحديث ٥٧٨)

ترجمہ: مومن عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز میں شریک ہوتی تھیں، اپنی چادریں لپیٹ کر، پھر وہ نماز ادا کرنے کے بعد اپنے گھروں کی طرف لوٹتی تھیں، کوئی ان کو اندھیرے کی وجہ سے نہیں پہچان پاتا تھا (بخاری)

اس حدیث کو اور محدثین نے بھی روایت کیا ہے، جن میں سے بعض احادیث میں کسی خاص نماز مثلاً فجر وغیرہ کے ذکر کے بغیر یہ معمول بیان کیا گیا ہے، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بعض دوسری صحابیات سے بھی اس طرح کی احادیث مروی ہیں۔

www.idaraghufran.org

(۳)......مَردوں سے پہلے سجدے سے اٹھنے کی ممانعت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجدِ نبوی میں خواتین اور مردوں کی صفوں کے درمیان کوئی حائل اور پردہ وغیرہ نہیں ہوتا تھا، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، اور تنگدستی کی وجہ سے بعض صحابہ کو ایسا لباس دستیاب نہیں ہوتا تھا، جس سے وہ اپنا مکمل بدن ڈھانپ سکیں، اور خواتین کے مردوں کے ساتھ سجدے سے اٹھنے کی صورت میں آگے والے مرد حضرات کے ستر پر نظر پڑ جانے کا امکان تھا، اس بنا پر خواتین کو یہ ہدایت تھی، کہ وہ سجدے سے سر اٹھانے میں کچھ تاخیر کریں، تاکہ مرد حضرات بیٹھ جائیں، چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رِجَالٌ يُصَلُّوْنَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِيْ أُزْرِهِمْ عَلٰى أَعْنَاقِهِمْ، كَهَيْئَةِ الصِّبْيَانِ، وَيُقَالُ لِلنِّسَاءِ: لَا تَرْفَعْنَ رُءُ وسَكُنَّ حَتّٰى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوْسًا (صحيح البخاری، رقم الحديث ۳۶۲)

ترجمہ: بعض لوگ (کپڑا کم ہونے کی وجہ سے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز اس طرح پڑھتے تھے، جیسے لڑکے اپنے تہبندوں کو اپنی گردنوں پر باندھ لیتے ہیں، اس لیے عورتوں کو یہ تاکید کی جاتی تھی کہ جب تک مرد حضرات (سجدہ سے اٹھ کر) سیدھے بیٹھ نہ جائیں، اس وقت تک وہ اپنے سروں کو نہ اٹھائیں (بخاری)

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ہی ایک حدیث میں روایت ہے کہ:

كُنَّ النِّسَاءُ يُؤْمَرْنَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي الصَّلَاةِ أَنْ لَا يَرْفَعْنَ رُؤُوْسَهُنَّ حَتّٰى يَأْخُذَ الرِّجَالُ مَقَاعِدَهُمْ مِنَ الْأَرْضِ، مِنْ ضِيْقِ الثِّيَابِ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۲۲۱۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں کو نماز میں یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ (سجدے سے) اپنے سر اس وقت تک نہ اٹھائیں، جب تک مرد حضرات زمین پر نہ بیٹھ جائیں، مرد حضرات کے لباس کے تنگ ہونے کی وجہ سے (ابنِ حبان)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔

www.idaraghufran.org

(۴)......: خواتین کے لیے الگ دروازہ مختص کرنا

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے لیے مسجد میں آمد ورفت کے لیے ایک دروازہ مخصوص فرمایا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

"لو تَرَكنا هذا البابَ للنِّساء "قال نافع :فلم يَدخُل منه ابنُ عمر حتَّى مات. (سنن أبي داود، رقم الحديث ۴۶۲، باب اعتزال النساء في المساجد عن الرجال)

اسی طرح کی روایات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہیں، چنانچہ حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُـمَرَ بنَ الخَطَّابِ كانَ يَنْهٰى اَنْ يُدْخَلَ مِنْ بَابِ النِّسِاءِ (سنن أبي داود، رقم الحديث ۴۶۴)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عورتوں کے دروازہ سے، مسجد میں داخل ہونے سے منع فرمایا کرتے تھے (ابوداود)

مذکورہ ہدایت کا مقصد یہ تھا کہ مسجد میں آمد ورفت کے وقت عورتوں کا مرد حضرات سے اختلاط لازم نہ آئے، اور خواتین کے لیے آسانی اور سہولت کے ساتھ مسجد میں آمد ورفت ممکن ہوجائے (جاری ہے......)

www.idaraghufran.org

حُرمت والے مہینے

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَلسَّنَۃُ اِثْنَا عَشَرَ شَھْرًا مِّنْھَااَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ ثَلٰثٌ مُّتَوَالِیَاتٌ ذُوالْقَعْدَۃِ وَذُوالْحَجَّۃِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَیْنَ جُمَادٰی وَشَعْبَانَ(بخاری، رقم الحدیث 4662)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے خطبہ میں) فرمایا کہ (اس وقت) زمانہ کی وہی رفتار ہے جس دن اللہ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا تھا (یعنی اب اس کے دنوں اور مہینوں میں کمی زیادتی نہیں ہے، جو جاہلیت کے زمانے میں مشرک کیا کرتے تھے، اب وہ ٹھیک ہوکر اس طرز پر آ گئی ہے جس پر ابتداء اوراصل میں تھی لہٰذا) ایک سال بارہ مہینہ کا ہوتا ہے، ان میں چار مہینے حرمت وعزت والے ہیں جن میں تین مہینے مسلسل ہیں یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک رجب کا مہینہ ہے جو کہ جمادی الاخریٰ اور ماہِ شعبان کے درمیان آتا ہے (بخاری)

معلوم ہوا کہ ان مہینوں کو ایک خاص مقام حاصل ہے، اس لیے شریعت نے ان مہینوں کے جو احکامات اوران کا احترام بتایا ہے، ان کی خلاف ورزی کرنا، رب تعالیٰ کی نافرمانی کرنا، عبادت گزاری میں کوتاہی وغیرہ کرنا جائز نہیں۔

www.idaraghufran.org

حرمت والے مہینوں میں نیک اعمال کا درجہ وفضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک صحابی کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا کہ:

ترجمہ: صبر یعنی رمضان کے مہینے کے روزے رکھو اور ہر مہینے میں ایک دن کا روزہ رکھ لیا کرو، ان صحابی نے عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے لہٰذا میرے لئے اور اضافہ کر دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مہینے میں دو دن روزہ رکھ لیا کیجئے، پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے اور اضافہ فرما دیجئے (کیونکہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھ لیا کیجئے، پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ میرے لئے اور اضافہ فرما دیجئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اَشْهُرِ حُرُمٌ (یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، اور رجب کے مہینوں) میں روزہ رکھو اور چھوڑو (آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی) اور آپ نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ فرمایا ان کو ساتھ ملا دیا پھر چھوڑ دیا (یعنی کہ ان مہینوں میں تین دن روزہ رکھو پھر تین دن ناغہ کرو اور اسی طرح کرتے رہو) (ابوداؤد، حدیث نمبر 2428)

ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، اور رجب کے مہینوں کا شمار چار حرمت والے مہینوں میں ہوتا ہے، اور اسلام میں ان مہینوں میں عبادت وطاعت کی خاص فضیلت ہے، اور روزہ بھی عبادت وطاعت میں داخل ہے، اس لئے ان مہینوں میں حسبِ توفیق جتنے ممکن ہوں نفلی روزے رکھنا اور دیگر نیک اعمال بھی باعثِ فضیلت ہیں۔

www.idaraghufran.org

دس محرم یعنی عاشوراء کے روزہ کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو دس محرم کے دن روزہ رکھتے ہوئے دیکھا، آپ نے ان سے پوچھا کہ اس دن کی کیا خصوصیت ہے کہ تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ بڑا عظیم (اور نیک) دن ہے، اسی دن اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی (اور فرعون پر غلبہ عطا فرمایا) اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر (اور بطور تعظیم) اس دن روزہ رکھا تھا، اس لئے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ! تمہارے مقابلے میں ہم موسیٰ سے زیادہ قریب ہیں ، اور (بطور شکر روزہ رکھنے کے) زیادہ حق دار ہیں ، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس محرم کے دن خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی (مسلم، حدیث نمبر 1130 ''128'')

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ:

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم عاشوراء کا روزہ رکھو، اور یہود کی مخالفت کرو، اور اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھو (مسند احمد، حدیث نمبر 2154)

www.idaraghufran.org

دس محرم کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد کا روزہ رکھنے کا حکم

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صُوْمُوْا یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، وَخَالِفُوْا فِیْـہِ الْیَھُوْدَ، صُوْمُوْا قَبْلَہٗ یَوْمًا، أَوْ بَعْدَہٗ یَوْمًا (مسند احمد، رقم الحدیث 2154)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عاشوراء کا روزہ رکھو، اور یہود کی مخالفت کرو، اور اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھو۔

فائدہ: مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تنہا دس محرم الحرام کا روزہ نہ رکھا جائے، بلکہ دس محرم کے ساتھ ایک دن پہلے یعنی نویں تاریخ کا ایک روزہ اور ملا لیا جائے۔

اور اگر ایک دن پہلے کوئی روزہ نہ رکھ سکے تو ایک دن بعد کا ایک روزہ اس کے ساتھ اور ملا لیا جائے تاکہ یہودیوں کی مخالفت بھی ہوجائے اور اس دن کے روزہ کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے۔

اور اگر کوئی تنہا صرف دس محرم کا روزہ رکھے، تو وہ بھی گناہ گار نہیں، بلکہ ثواب کا مستحق ہے، البتہ اس کے مقابلہ میں زیادہ بہتر یہ ہے کہ دسویں کے ساتھ نویں یا گیارہویں کا بھی روزہ رکھ لے۔ کیونکہ بعض احادیث سے تنہا دس محرم کا روزہ رکھنا بھی ثابت ہے۔

www.idaraghufran.org

آپ کے دینی مسائل کاحل ادارہ

’’عمل بالحدیث‘‘ کاحکم(قسط18)

’’فتحُ القدیر‘‘ کاحوالہ

’’الهداية‘‘ کی شرح ’’فتحُ القدیر‘‘میں ہے کہ:

إلا إذا أفتاه مفت بالفساد، كما هو قول الحنابلة، وبعض أهل الحديث فأكل بعده لا كفارة لأن الحكم في حق العامي فتوى مفتيه.

(وإن بلغه الحديث واعتمده) على ظاهره غير عالم بتأويله وهو عامي (فكذلك عند محمد) أي لا كفارة عليه، لأن قول المفتي يورث الشبهة المسقطة، فقول الرسول -عليه الصلاة والسلام- أولى.

وعن أبي يوسف لا يسقطها (لأن على العامي الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء في حقه إلى معرفة الأحاديث) فإذا اعتمده كان تاركا للواجب عليه، وترك الواجب لا يقوم شبهة مسقطة لها (فتح القدير، ج ۲، ص ۳۷۷، کتاب الصوم)

ترجمہ: لیکن جب اس کو کوئی مفتی، روزہ فاسد ہونے کا فتویٰ دے، جیسا کہ یہ حنابلہ اور بعض اہلُ الحدیث کا قول ہے، پھر اس کے بعد وہ کھا پی لے، تو کفارہ واجب نہیں، کیونکہ عامی کے حق میں، اس کے مفتی کا فتویٰ ہی حکمِ شرعی ہوا کرتا ہے۔

اور اگر اس عامی کو حدیث پہنچ گئی، اور اس نے اس کے ظاہر پر اعتماد کرلیا، عامی ہونے کی وجہ سے اس کی (حنفیہ وجمہور کی طرف سے بیان کردہ) تاویل کو نہیں جانا، تو بھی امام محمد کے نزدیک یہی حکم ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں، کیونکہ جب مفتی کا قول، کفارہ ساقط کرنے کے شبہ کو پیدا کر دیتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بدرجۂ اولیٰ شبہ پیدا

www.idaraghufran.org

کردے گا۔

اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اس سے کفارہ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ عامی شخص پر فقہاء سے رہنمائی لینا واجب ہے، کیونکہ وہ خود سے احادیث کی معرفت حاصل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، پس جب اس نے خود سے حدیث پر اعتماد کیا، تو واجب کا تارک ہوا، اور واجب کا ترک کرنا، کفارہ ساقط ہونے کے شبہ کو پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا (فتح القدیر)

مذکورہ عبارت میں بھی عامی کے حق میں حنابلہ اور اہلُ الحدیث مفتی کے فتوے کو حکمِ شرعی کا درجہ دیا گیا ہے، اور حدیث پہنچنے کو بدرجہ اولیٰ مؤثر قرار دینے کی دلیل بیان کی گئی ہے۔

اور بعد میں امام ابو یوسف کی روایت اور اس کی دلیل کو ذکر کیا گیا ہے۔

''البنایة شرحُ الهدایة'' کا حوالہ

''البنایة شرحُ الهدایة'' میں ہے کہ:

''اگر کسی فقیہ نے، مثلاً حنبلی نے، اس کے روزہ فاسد ہونے کا فتویٰ دیا، تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ فتویٰ، عامی شخص کے حق میں شرعی دلیل ہوا کرتا ہے، اور اگر اسے حدیث پہنچی، جس پر اس نے اعتماد کرلیا، تو بھی امام محمد کے نزدیک یہی حکم ہے، یعنی اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، مفتی کے قول سے کم درجے کی حیثیت نہیں رکھتا، اور جب مفتی کا قول، کفارہ ساقط کرنے کا سبب ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جن کا درجہ ہر مفتی سے بڑا ہے، کا قول بدرجۂ اولیٰ کفارہ واجب نہ ہونے میں عذر شمار ہوگا۔

اور امام ابو یوسف سے اس کے خلاف مروی ہے، امام ابو یوسف کے قول کو ابنِ سماعہ اور بشر نے روایت کیا ہے، امام ابو یوسف کے قول کی دلیل یہ ہے کہ عامی شخص جب کوئی حدیث سنے، تو اسے حدیث کے ظاہر کو لینا جائز نہیں، اس لیے کہ اسے حدیث کے

www.idaraghufran.org

حالات کی معرفت حاصل نہیں ہوتی ،بعض اوقات حدیث منسوخ ،یا متروک ، یا ظاہر سے پھری ہوئی ہوتی ہے''۔انتہٰی۔

(ملاحظہ ہو:البنایۃ شرح الھدایۃ، ج۴،ص ۱۱۰ ،کتاب الصوم)

''التنبیہ علٰی مشکلات الھدایۃ'' کا حوالہ

صدرُالدین علی بن علی ابن ابی العز حنفی (المتوفیٰ:792ھ) کی تالیف ''التنبیہ علٰی مشکلات الھدایۃ'' میں اس مسئلہ پر تفصیلی وتحقیقی کلام کیا گیا ہے،جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''امام ابو یوسف کے قول کی علت میں نظر ہے،جس کی وجہ یہ ہے کہ جب علماء کے مابین کسی مسئلے میں اختلاف ہو،اور عامی شخص کو ایسی حدیث پہنچے،جس سے فریقین دلیل پکڑتے ہوں، پھر اس نے اس حدیث کو لے لیا،تو یہ بات کیسے کہی جاسکتی ہے کہ وہ معذور نہیں ہے،اس لیے اس پر کفارہ واجب ہوگا؟

اگر کہا جائے کہ یہ حدیث منسوخ ہے،تو اس کے بارے میں گزر چکا ہے کہ منسوخ تو وہ کہلاتی ہے،جس کے معارض کا گمان ہو،اسی وجہ سے جس شخص نے صحیح حدیث کو سنا، پھر اس پر عمل کرلیا، حالانکہ وہ حدیث منسوخ تھی،تو یہ اس وقت تک معذور شمار ہوگا، جب تک کہ اسے ناسخ نہ پہنچ جائے۔

اور جس نے حدیث کو سنا،اس کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم اس پر اس وقت تک عمل نہیں کرسکتے ،جب تک کہ اس کو فلاں فلاں کی رائے سے تقابل کرکے پرکھ نہ لو۔

بلکہ اس کو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ آپ اس کا منسوخ ہونا،نہ ہونا دیکھ لیں،لیکن جب حدیث کے منسوخ ہونے میں بھی اختلاف ہو،جیسا کہ زیرِ بحث مسئلے میں وارِد حدیث کا معاملہ ہے،تو اس طرح کی حدیث پر عمل کرنے والا، انتہائی درجے کا معذور شمار ہوگا۔

اور مفتی کی خطاء میں احتمال کا امکان،سنی ہوئی حدیث کے منسوخ ہونے کے احتمال سے زیادہ قوی ہے،لہٰذا جس کو بھی حدیث پہنچے،تو اس کے لیے عموم کا ہی حکم ہوگا، جب تک

www.idaraghufran.org

کہ اس کے نزدیک تخصیص، یا تنسیخ ثابت نہ ہوجائے، جس کے بارے میں فقہاء کی تصریحات موجود ہیں۔

علاوہ ازیں احادیث میں منسوخ کی مقدار، بہت قلیل ہے، ابنِ جوزی وغیرہ نے چند صفحات میں ان کو جمع کیا ہے، جس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ مجھے تدبر کرنے سے صرف اکیس احادیث کا منسوخ ہونا معلوم ہوا۔

اور جب عامی شخص کو، مفتی کے قول کو لینے کی گنجائش ہوتی ہے، بلکہ اس پر ایسا کرنا واجب ہوتا ہے، باوجودیکہ مفتی کی خطاء کا بھی احتمال پایا جاتا ہے، تو پھر اس کو حدیث لینے کی کیونکر گنجائش نہیں ہوگی، جبکہ وہ اس کے معنیٰ کو سمجھتا ہے، اگرچہ منسوخ ہونے کا احتمال کیوں نہ رکھے (کیونکہ مفتی کے فتوے میں بھی خطاء کا احتمال ہے)

اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کے ساتھ ثابت شدہ سنتوں پر عمل کرنے کی اس وقت تک گنجائش نہ ہوتی، جب تک کہ فلاں فلاں کا اس پر عمل نہ ہوتا، تو پھر تمام سنن واحادیث پر عمل کرنے کے لیے فقہاء وعلماء کے قول کا پایا جانا شرط ہوتا، جو کہ واضح طور پر باطل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے پوری امت کے مقابلے میں اپنے رسول کو ہی حجت بنایا ہے، اور جس نے حدیث پر عمل کیا، اور اس کو سمجھ کر اس کے مطابق فتویٰ دیا، تو اس میں خطاء کے احتمال کو مقدر نہیں مانا جائے گا، اس سے کہیں درجے زیادہ خطاء کا احتمال تقلید کیے جانے والے مفتی کے اندر ہوسکتا ہے۔

اور یہ بحث اس شخص کے حق میں ہے، جسے غور وفکر کی صلاحیت حاصل ہو۔

لیکن جب کسی کو یہ اہلیت حاصل نہ ہو، تو اس کے ذمہ اہلِ ذکر سے سوال کرنا واجب ہے، اور جب مستفتی کو، مفتی کے کلام، یا اس کے شیخ وغیرہ کے کلام پر اعتماد کرنا جائز ہے، تو انسان کو بدرجۂ اولیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام پر اعتماد کرنا جائز ہے، جو ثقات کی کتابوں میں پایا جاتا ہے، اور اگر یہ بات فرض کی جائے کہ اس نے حدیث کو

www.idaraghufran.org

نہیں سمجھا، تو ایسا ہی ہوگا، جیسا کہ اس نے مفتی کے فتوے کو نہیں سمجھا، تو ایسی صورت میں اس حدیث کے معنیٰ کے متعلق اہلِ معرفت سے سوال کرسکتا ہے، جیسا کہ مفتی کے جواب کا معاملہ ہے''۔انتھٰی۔

(ملاحظہ ہو:التنبیہ علی مشکلات الهدایة، ج۲،ص ۲۵۶،الیٰ ۲۵۹،کتاب الصوم)

''التنبیه علیٰ مشکلاة الهدایة'' کی مذکورہ عبارت میں کئی شبہات کا ازالہ کردیا گیا ہے، جس کے بعد کسی معقول شبہ کی بظاہر گنجائش باقی نہیں رہتی، تاہم ضد اور ہٹ دھرمی کا کسی کے پاس علاج نہیں۔

''کشفُ الأسرار شرح اصول البزدوی'' کا حوالہ

علاءُالدین عبدالعزیز بخاری حنفی (المتوفیٰ:730ھ) ''کشفُ الأسرار شرح اصول البزدوی'' میں فرماتے ہیں کہ:

''اور اگر اس نے کسی مفتی سے فتویٰ طلب نہیں کیا، لیکن اسے حدیث پہنچ گئی، جس کے نہ تو منسوخ ہونے کا اسے پتہ چلا، اور نہ ہی اس کے (حنفیہ وغیرہ کی طرف سے بیان کردہ) مطلب کا پتہ چلا، تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد اور حسن بن زیاد نے فرمایا کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ حدیث اگرچہ منسوخ ہو، تب بھی وہ فتویٰ کے درجہ سے نیچے کی چیز نہیں ہوتی، جبکہ اسے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو، تو وہ اس کے حق میں شبہ کا باعث بن جاتی ہے۔

امام ابویوسف کا قول اس سے مختلف ہے''۔انتھٰی۔

(ملاحظہ ہو:کشف الأسرار شرح أصول البزدوی، ج۴،ص ۳۴۴،باب العوارض المکتسبة،الجهل فی موضع الاجتهاد الصحیح أو فی غیر موضع الاجتهاد)

''البحرُ الرائق'' کا حوالہ

''البحرُ الرائق'' میں ہے کہ:

''اور اگر کسی فقیہ سے فتویٰ طلب کیا، تو اس پر کفارہ واجب نہیں، کیونکہ عامی شخص پر عالم

www.idaraghufran.org

کی تقلید، واجب ہے، جبکہ اس کے فتوے پر اعتماد کیا جاتا ہو، تو وہ اپنے طرزِ عمل میں معذور شمار ہوگا، اگر چہ مفتی اپنے فتویٰ میں خطاء کار کیوں نہ ہو، اور اگر اس نے فتویٰ طلب نہیں کیا، اور اسے حدیث پہنچ گئی، اور اس نے نہ تو اس کے منسوخ ہونے کو جانا، اور نہ اس کی تاویل کو جانا، تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں، کیونکہ ظاہرِ حدیث پر عمل کرنا واجب ہوا کرتا ہے، اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ عامی کو خود سے حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں، کیونکہ اسے ناسخ اور منسوخ کا علم نہیں ہوتا''۔انتہٰی۔

(ملاحظہ ہو: البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج ۲، ص ۳۱۵،باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده)

''تبیینُ الحقائق'' کا حوالہ

''کنزُ الدقائق'' کی شرح ''تبیینُ الحقائق'' میں ہے کہ:

''اور اگر اس کو حدیث پہنچی، تو امام محمد کے نزدیک کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، مفتی کے فتویٰ سے زیادہ قوی شمار ہوتا ہے، اس لیے وہ بدرجۂ اولیٰ شبہ کا باعث ہے، اور امام ابو یوسف سے اس کے خلاف مروی ہے''۔انتہٰی۔

(ملاحظہ ہو: تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج ۱، ص ۳۳۳، کتاب الصوم،باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده)

''دررُ الحکام شرح غررُ الاحکام'' کا حوالہ

''دررُ الحکام شرح غررُ الاحکام'' میں ہے کہ:

''مفتی سے فتویٰ لینے کی صورت میں کفارہ واجب نہیں، اگر چہ مفتی کا فتویٰ فی نفسہٖ خطاء پر مبنی کیوں نہ ہو، اور اگر اس نے حدیث کو سنا، اور اس کے ظاہر پر اعتماد کرلیا، تو بھی امام محمد کے نزدیک کفارہ واجب نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، مفتی کے قول سے ادنیٰ درجہ نہیں رکھتا، اور جب مفتی کا فتویٰ بھی عذر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو

www.idaraghufran.org

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بدرجۂ اولیٰ اس کی صلاحیت رکھتا ہے‘‘۔انتھٰی۔

(ملاحظه هو: درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ا ،ص ٢٠٦، كتاب الصوم،باب موجب الإفساد في الصوم)

’’حاشيةُ الطحطاوى على المراقى‘‘ کا حوالہ

’’حاشيةُ الطحطاوى على المراقى‘‘ میں ہے کہ:

’’امام محمد کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جب مفتی کا قول، عذر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، بدرجۂ اولیٰ اس کی صلاحیت رکھتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، مفتی کے قول سے ادنیٰ درجہ نہیں رکھتا‘‘۔انتھٰی۔

(ملاحظه هو: حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص ٦٦٨، باب ما يفسد به الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء)

’’الدرُّ المختار‘‘ اور ’’ردُّ المحتار‘‘ کا حوالہ

’’الدرُّ المختار‘‘ میں ہے کہ:

’’اگر اس کو ایسے مفتی نے فتویٰ دیا، جس کے قول پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، یا حدیث کو سنا، اور اس کی تاویل کو نہیں جانا، تو بھی شبہ کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوگا‘‘۔انتھٰی۔

(الدر المختار)

اور ’’ردُّ المحتار‘‘ میں مذکورہ عبارت کی شرح کے ذیل میں ہے کہ:

’’جس مفتی کے قول پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ حنبلی مفتی، جو حجامہ کو روزہ فاسد ہونے کا سبب سمجھتا ہے، کیونکہ عامی شخص کے ذمہ مطلق عالم کی تقلید واجب ہے، جبکہ اس کے فتوے پر اعتماد کیا جاتا ہو، جس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ عامی کا مذہب، اس کے مفتی کا فتویٰ ہوتا ہے، کسی مذہب کی قید کے بغیر۔

یا حدیث کو سنا، تو امام محمد کے نزدیک اس صورت میں بھی کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، مفتی کے قول کے مقابلے میں بدرجۂ اولیٰ، شبہ کی صلاحیت رکھتا ہے، اور امام ابو یوسف سے اس کے خلاف مروی ہے‘‘۔انتھٰی۔

www.idaraghufran.org

(ملاحظہ ہو: رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص ۱۱۴، کتاب الصوم،باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ)

علامہ ابنِ عابدین شامی نے مذکورہ مسئلہ کے ضمن میں یہ بھی واضح فرمادیا کہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اورامام محمد کےنزدیک عامی پر متعین مذہب، یا متعین مجتہد ومفتی کی تقلید واجب نہیں، جبکہ اس سلسلے میں صریح وکثیر عبارات پہلے گزر چکی ہیں۔

اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ اس کے برخلاف قول راجح نہیں۔ (جاری ہے......)

www.idaraghufran.org

کیا آپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

تکرارِ جنازہ وانتقالِ میت کی تحقیق (قسط1)

آج کل عام طور پر علمائے حنفیہ کی طرف سے اپنے فتاوی میں نمازِ جنازہ کے متعلق یہ حکم بیان کیا جاتا ہے کہ اگر میت کا ایک مرتبہ نمازِ جنازہ میت کے ولی نے پڑھ لیا، یا اس کی اجازت سے کسی دوسرے نے پڑھ لیا، تو اس کے بعد دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنا، گناہ اور بدعت ہے، اور آجکل جو یہ حیلہ اختیار کیا جاتا ہے کہ پہلے جنازہ میں ولی، یا کوئی ایک ولی شریک نہیں ہوتا، تا کہ اس کی وجہ سے دوسری مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھنے کے جائز ہونے کی گنجائش نکل آئے، جبکہ پہلا جنازہ ولی کی رضامندی، اور اجازت سے پڑھا جاتا ہے، تو یہ حیلہ مفید نہیں، کیونکہ پہلا جنازہ ولی کی رضامندی سے پڑھا جاچکا ہے، جس کے بعد دوسرے جنازہ کی گنجائش نہیں۔

اور اس کے برعکس بعض غیر حنفیہ حضرات یہ حکم بیان کرتے ہیں کہ ایک سے زیادہ مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھنے کا احادیث وروایات میں ذکر آیا ہے، اور ناجائز ہونے کا حکم حنفی فقہ کا ہے، اس لئے اس کو بدعت، یا گناہ کہنا صحیح نہیں۔

آج کل ایک سے زیادہ مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھنے کی صورت عام طور پر اس وقت پیش آتی ہے، جب کوئی شخص کسی ایک شہر میں رہائش پذیر ہوتا ہے، جہاں اس شخص کے بہت سے جاننے والے لوگوں، اور احباب کا حلقہ ہوتا ہے، اور اس شخص کا آبائی علاقہ کسی اور مقام پر ہوتا ہے، جہاں اس شخص کے اعزہ واقرباء رہتے سہتے ہیں، جب اس طرح کا کوئی شخص فوت ہوجاتا ہے، تو اس کی تدفین اپنے آبائی علاقہ میں کی جاتی ہے، جہاں اس کا آبائی خاندان مدفون ہوتا ہے، تا کہ خاندان اور برادری کے لوگوں کو فوت شدہ خاندان کے افراد کی زیارتِ قبور میں آسانی ہو، ویسے بھی شہروں میں تدفین کا عمل ایک مشکل مرحلہ بن گیا ہے، شہروں میں قبروں کے لیے مناسب اور صاف ستھری محفوظ جگہ کا میسر آنا،

www.idaraghufran.org

اور پھر قبر کی حفاظت کرنا، بلکہ قبر کے اخراجات کو برداشت کرنا، ہر کس وناکس کے لیے موجودہ دور میں آسان نہیں رہا، اور اپنے آبائی قبرستان میں اس قسم کے مسائل ومشکلات سے حفاظت رہتی ہے، ایسی صورت میں اس شخص کی نمازِ جنازہ دونوں مقامات پر پڑھی جانے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، کیونکہ شہر کے لوگوں کو نمازِ جنازہ کے لئے دوسرے علاقہ میں پہنچنا مشکل ہوتا ہے، جس طرح اس فوت شدہ شخص کے آبائی علاقہ کے لوگوں کا شہروں میں پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔

بہت سے علماء ومشائخ کے ساتھ یہ صورتِ حال زیادہ پیش آنے لگی ہے، جو کسی جگہ امامت وخطابت ،یا درس وتدریس وغیرہ کی خدمت سرانجام دیتے ہیں، یا جو لوگ شہروں میں ملازمت وتجارت وغیرہ کرتے ہیں، اس علاقہ میں ان حضرات کے بڑی تعداد میں مقتدی، شاگرد، مریدین، یا جاننے والے احباب کا وسیع حلقہ ہوتا ہے، اور ان کو ان کے آبائی علاقوں میں دفن کیا جاتا ہے۔

ایسی صورت میں بعض مشاہیر مشائخ وعلمائے حنفیہ ودیوبند کی بھی دو دو مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھی جانے لگی ہے، اور اب بعض علماء کی طرف سے اس طرح متعدد نمازِ جنازہ کے اوقات کار کی تشہیر بھی کی جانے لگی ہے۔

اس طرزِ عمل کے نتیجہ میں میت کو ایک علاقہ، یا ایک شہر سے دوسرے علاقہ، یا دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا بھی لازم آتا ہے، اس کے متعلق بھی حنفی علماء کی طرف سے عام طور پر عدمِ جواز، اور مکروہ تحریمی ہونے کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

اور غیر حنفی مسلک سے وابستہ حضرات اس میں بھی گنجائش کا حکم بیان کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں بعض روایات کا حوالہ دیتے ہیں۔

اس صورتِ حال میں بعض حضرات کہتے ہیں کہ تدفین میں غیر معمولی تاخیر کرنا منع ہے، اور آجکل جو بعض لوگوں کے نمازِ جنازہ میں شرکت کی غرض سے، نمازِ جنازہ، اور تدفین میں غیر معمولی تاخیر کی جاتی ہے، یہ زیادہ برا عمل ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کے خلاف ہے، کیونکہ ایسی صورت میں وہ حضرات جلدی نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا کرتے تھے، اور جو کوئی نمازِ جنازہ سے رہ جاتا، اور وہ نمازِ جنازہ پڑھنا چاہتا، وہ قبر پر بھی پڑھ لیا کرتا تھا، لیکن آج

جولوگ اس طرزِ عمل کو گوارا نہیں کرتے ،وہ کچھ لوگوں ،یا کسی خاص شخص کے انتظار میں میت کو غیر معمولی وقت کے لیے روکے رکھتے ہیں،اور حاضرین کو بھی بلا وجہ محبوس کر کے رکھتے ہیں،جس سے دوسرے حاضرین ایذاء میں مبتلاء ہوتے ہیں،اور لوگوں کے کام کاج میں بھی حرج واقع ہوتا ہے، جو کہ جائز نہیں،اس لئے احادیث اور صحابہ سے ثابت شدہ عمل کا انکار کرنا،اور غیر ثابت شدہ عمل میں مبتلاء ہوجانا،درست نہیں۔

اس موقع پر بعض حضرات کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار نمازِ جنازہ پڑھے جانے سے بھی تکرارِ جنازہ کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔

ان حالات میں بعض حضرات نے بندہ کو اس سلسلہ میں تحریر ارسال کی،اور خواہش ظاہر کی کہ اس مسئلہ پر قدرے تفصیل اور دلائل کے ساتھ روشنی ڈال دی جائے ،،اور یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ اس طرح میت کو ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں منتقل کرنا،اور دو مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھنا واقعی گناہ اور بدعت ہے،یا اس میں فقہائے کرام میں سے کسی کے نزدیک گنجائش نکلتی ہے،تا کہ بدعت کا حکم لگانے سے اجتناب کیا جائے ،اور اس کو اجتہادی اختلاف سے تعبیر کیا جائے ،جس کے بعد بندہ نے ایک مضمون ''تکرارِ جنازہ وانتقالِ میت کی تحقیق'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے،جس کو آئندہ اوراق میں نقل کیا جارہا ہے۔

سنت ومستحب یہ ہے کہ میت کی جلد از جلد تجہیز وتکفین کی جائے ،اور کوئی عذر نہ ہو،تو نمازِ جنازہ پڑھ کر جہاں کوئی فوت ہوا،اس علاقہ کے قریبی قبرستان میں دفن کر دیا جائے ،اور سب لوگوں،یا خاص لوگوں کے انتظار میں میت کو غیر معمولی وقت کے لئے روک کر نہ رکھا جائے۔

(ملاحظہ ھو:الموسوعة الفقهية الكويتية،ج ۱۲ ،ص ۲۲۲ ،مادة''تعجيل''وج ۱٦ ،ص ۷،مادة''جنائز'')

اور اگر کوئی منکر وگناہ لازم نہ آئے ،تو عزیز واقارب کی ایک جگہ تدفین میں حرج نہیں، بلکہ مستحب ،اور بعض احادیث سے ثابت ہے،تا کہ زیارتِ قبور،اور ان سب کے لئے رحمت ومغفرت کی دعاء وغیرہ کرنے میں آسانی رہے۔

(ملاحظہ ھو:الموسوعة الفقهية الكويتية،ج ۲۱ ،ص ۱۱ ،مادة''دفن''،الفِقهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ،ج ۲ ،ص ۱۵۴۸ ، المفاتيح فی شرح المصابيح،ج ۲ ،ص ۴۵۲ كتاب الجنائز،باب دفن الميت)

www.idaraghufran.org

اور عام حالات میں میت کا نمازِ جنازہ صرف ایک مرتبہ ہی پڑھنے کا حکم ہے۔

اس لئے عام حالات میں اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے، اور اس کی بلاوجہ خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔

البتہ بعض صورتوں میں میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنا، اور ایک سے زیادہ مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے، لیکن ایسا کرنا کن صورتوں میں جائز ہے، ان دونوں مسائل میں فقہائے کرام ومجتہدینِ عظام کے مابین اختلاف ہے۔

آگے ان دونوں مسائل کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے، جس کے ضمن میں ان شاء اللہ تعالیٰ فقہائے کرام ومجتہدینِ عظام کے اقوال ومسالک اور بقدرِ ضرورت ان کے دلائل کا بھی ذکر کیا جائے گا، تاکہ اجتہادی واختلافی اور اتفاقی واجماعی مسائل کے مابین فرق کیا جاسکے، اور ہر نوعیت کے مسئلہ کو اپنے مقام پر رکھا جاسکے۔

کیونکہ آج کل اجماعی وغیر اجماعی، اور اجتہادی وغیر اجتہادی مسائل کے متعلق بعض علماء ومفتیان کی طرف سے فرق وامتیاز نہیں کیا جاتا، اور سب کو ایک درجے میں رکھ کر ''گدھے گھوڑے برابر'' ہونے کی مثال پیش کی جاتی ہے، اور بلا کھٹک اجتہادی مسائل میں دوسرے موقف پر بے جا نکیر کی جاتی ہے، جو شرعاً جائز نہیں، اور اس قسم کے فتاویٰ خود قابلِ نکیر کہلائے جانے کے مستحق ہیں، جن میں غیر منکر پر نکیر کی گئی ہو۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''**احکامُ الایتلاف فی احکام الاختلاف**'' میں فرماتے ہیں کہ:

> جو اختلاف ایسے امرِ دینی میں ہو، جو فروع میں سے ہے، اور دلیل سے ہو، خواہ دلیل نص ہو، یا اپنا اجتہاد ہو، یا اپنے کسی متبوع صالح للمتبوعیة (یعنی ایسے مجتہد ومحقق یا مفتی) کا اجتہاد، یا فتویٰ ہو (جو اتباع وتقلید کی صلاحیت واہلیت رکھتا ہو)
>
> اور یہی ہے وہ اختلاف، جو امتِ مرحومہ کی جماعتِ حقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے اس وقت چلا آرہا ہے۔
>
> اور مبنیٰ اس اختلاف کا اسبابِ متعددہ ہیں، جو کتبِ اصول وتصانیفِ حضرت شاہ ولی

www.idaraghufran.org

اللہ ورسالہ رفعُ الکلام لابنِ تیمیۃ وغیرہا میں مدون ہیں(''رسالہ: احکامُ الایتلاف فی احکام الاختلاف ''مشمولہ: بوادرالنوادر،ص ۶۷۱،مطبوعہ:ادارہ اسلامیات،لاہور پاکستان۔سنِ اشاعت:۱۹۸۵ء)

مزید فرماتے ہیں کہ:

اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ باتفاق واجماعِ علمائے امت محمود ومقبول ہے......اور اس اختلاف کا ایک یہ بھی حکم ہے کہ جب یہ محمود ومقبول ہے،تو اس میں ایک کا دوسرے سے عداوت کرنا اور کسی کی تضلیل وتفسیق کرنا،جیسا آج کل غلاۃ میں تحریراً وتقریراً معمول ہے،سخت بدعت ومعصیت وتعصب ومخالفتِ سلف ہے۔

(''رسالہ: احکامُ الایتلاف فی احکام الاختلاف''مشمولہ: بوادرالنوادر،ص ۶۷۳،۶۷۴،مطبوعہ: ادارہ اسلامیات،لاہور پاکستان۔سنِ اشاعت:۱۹۸۵ء)

اسی رسالہ میں فرماتے ہیں کہ:

بدعت سے مراد وہ بدعت ہے، جو باتفاقِ اہلِ حق بدعت ہو،اور جس میں اہلِ حق کے اجتہاد کی گنجائش ہو،وہ مثل مسائلِ مختلف فیہا کے ہے،جن کا حکم فصلِ سوم میں مذکور ہوا ہے(''رسالہ: احکامُ الایتلاف فی احکام الاختلاف ''مشمولہ: بوادرالنوادر،ص ۶۷۶،مطبوعہ: ادارہ اسلامیات،لاہور پاکستان۔سنِ اشاعت:۱۹۸۵ء)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ''تفسیر معارفُ القرآن'' میں فرماتے ہیں:

اجتہادی اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ماتحت اس پر نکیر کیا جائے اور جب وہ منکر نہیں،تو غیر منکر پر نکیر خود امرِ منکر ہے،اس سے پرہیز لازم ہے۔

یہ وہ بات ہے جس میں آج کل بہت سے اہلِ علم بھی غفلت میں مبتلا ہیں،اپنے مخالف نظریہ رکھنے والوں پر تبرا اور سب وشتم سے بھی پرہیز نہیں کرتے ،جس کا نتیجہ مسلمانوں میں جنگ وجدل اور انتشار واختلاف کی صورت میں جگہ جگہ مشاہدہ میں آ رہا ہے،

www.idaraghufran.org

اجتہادی اختلاف ،بشرطیکہ اصولِ اجتہاد کے مطابق ہو، وہ تو ہرگز آیت مذکور ’’ولاتفرّقوا ‘‘ کے خلاف اور مذموم نہیں۔البتہ اس اجتہادی اختلاف کے ساتھ جو معاملہ آج کل کیا جارہا ہے کہ اسی کی بحث ومباحثہ کو دین کی بنیاد بنالی گئی اوراس پر باہمی جنگ وجدل اورسب وشتم تک نوبت پہنچادی گئی، یہ طرزِ عمل بلاشبہ’’ولاتفرّقوا ‘‘ کی کھلی مخالفت اور مذموم اورسنتِ سلف، صحابہ وتابعین کے بالکل خلاف ہے، اسلافِ امت میں کبھی کہیں نہیں سنا گیا کہ اجتہادی اختلاف کی بناء پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو‘‘(معارف القرآن، ج۲ص۱۴۳،سورہ آلِ عمران، آیت نمبر۱۰۴،مطبوعہ:ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ۱۴۱۱ہجری، جون 1991ء)

اس کے علاوہ غیر مجتہد پر کسی بھی مجتہد کی تقلید جائز ہونے ،یا متعین مجتہد کی تقلید واجب ہونے کا مسئلہ بھی مجتہَد فیہ ہے،اور بہت سے حنفیہ نے مذہبِ معین اور مجتہدِ معین کی تقلید واجب نہ ہونے کو راجح واصح قول قرار دیا ہے،اس لیے اگر کوئی شخص کسی ضرورت، یا مصلحتِ دینی کی خاطر کسی بھی مجتہد کی تقلید کر کے عمل پیرا ہو، تو اس پر بھی نکیر کے کوئی معنیٰ نہیں، جس کی باحوالہ اور مدلل تفصیل ہم نے دوسرے مضامین میں بیان کردی ہے۔

انتقالِ میت کی تحقیق

اگر فوت شدہ شخص شہید ہو، اور کوئی عذر نہ ہو، تو تقریباً تمام فقہائے کرام کے نزدیک اس کو شہید ہونے والی جگہ میں دفن کرنا افضل اور بعض کے نزدیک تاکیدی عمل ہے، کیونکہ احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتولین کو ان کے قتل والے مقام کی طرف لوٹانے کا حکم مذکور ہے۔

(ملاحظہ ہو:الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱،ص ۱۱،مادة”دفن“)

اورعام مسلمان میت کو دفن سے پہلے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں منتقل کرنے کے بارے میں فقہائے کرام کے بنیادی طور پر تین اقوال ہیں۔

پہلا قول بغیر کسی صحیح غرض کے مکروہ ہونے کا، دوسرا قول مباح وجائز ہونے ،اور بعض صورتوں میں مستحب وافضل ہونے کا،اور تیسرا قول حرام ہونے کا ہے، کیونکہ بعض روایات سے منتقل کرنے کا

www.idaraghufran.org

ثبوت، اور بعض سے ناپسندیدگی ظاہر ہوتی ہے، اس لئے یہ مسئلہ محلِ اجتہاد ہوا، جس کی وجہ سے مجتہدینِ عظام نے اپنے اپنے اجتہاد کی روشنی میں مختلف احکام بیان کیے، جو اجتہاد کا خاصہ ہے، اور کسی کے نزدیک کسی مجتہد کے دلائل کا راجح ہونا، اس مسئلہ کو محلِ مجتہد فیہ ومختلف فیہ ہونے سے خارج نہیں کرتا، اور نہ ہی دوسرے قول پر نکیر کا جواز پیدا کرتا۔

حنفیہ کا مذہب

دفن سے پہلے میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنے کے متعلق حنفیہ کے اقوال مختلف ہیں۔

حنفیہ کے کئی جلیلُ القدر فقہاء ومشائخ کے قول کے مطابق دفن سے پہلے میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنا گناہ نہیں، خواہ وہ مقام قریب ہو، یا زیادہ فاصلہ پر ہو، اور خواہ وہ مقام دوسرا شہر ہو، بشرطیکہ میت کے خراب ہونے سے حفاظت کو ملحوظ رکھا جائے۔

اور حنفیہ کے ایک قول کے مطابق سفرِ شرعی سے کم مسافت پر ہی میت کو منتقل کرنا جائز ہے، اس سے زیادہ مسافت پر مکروہ ہے، اور حنفیہ کا تیسرا قول یہ ہے کہ ایک، یا دو میل، یا اس سے کچھ زیادہ کے فاصلہ پر تو منتقل کرنا جائز ہے، کیونکہ اتنا فاصلہ ایک آبادی کے قبرستان کی حدود میں بھی ہو جایا کرتا ہے، اس سے زیادہ غیر معمولی فاصلہ پر منتقل کرنا مکروہ ہے۔

اسی بناء پر ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا بھی مکروہ ہے، الا یہ کہ کوئی معقول ضرورت ہو، اور آجکل بہت سے حنفیہ اپنے فتاویٰ میں اسی تیسرے قول کے مطابق حکم بیان کیا کرتے ہیں، کیونکہ زیادہ فاصلہ پر، یا دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے میں دوسری خرابیوں سے قطع نظر، تدفین میں تاخیر کی خرابی لازم آتی ہے۔

(ملاحظہ ہو: رد المحتار علی الدر المختار، ج٦،ص٤٢٨، کتاب الحظر والإباحة، عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ج٨، ص٥٦، باب الكفن فی القميص الذی يكف أو لا يكف ومن كفن بغير قميص، و ج٨، ص١٦٣، باب هل يخرج الميت من القبر واللحد لعلة)

حنفیہ کے جلیلُ القدر فقیہ، اور درسِ نظامی کی مشہور فقہی کتاب ''الھدایة'' کے مصنف علی بن ابی بکر مرغینانی (المتوفیٰ:593ھ) نے ''التجنیس والمزید'' میں میت کو منتقل کرنے کے مسئلہ کا

www.idaraghufran.org

نہایت معتدل حکم بیان فرمایا ہے، جو ہمارے نزدیک دلائل کی رُو سے راجح اور مضبوط موقف ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے دلیل پکڑتے ہوئے ”جس میں انہوں نے اپنے بھائی کے فوت شدہ مقام پر دفن کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی“ شہید، اور دوسری میت کو فوت شدہ مقام کے لوگوں کے قبرستان میں دفن کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، اور ایک، یا دو میل کے لگ بھگ کی دوری پر منتقل کرنے میں کوئی حرج نہ ہونے کا حکم لگایا ہے، کیونکہ قبرستان کے فاصلے اتنی دوری پر ہوا کرتے ہیں، جن میں تدفین لابدی امر ہے۔

اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے میں کوئی گناہ لازم نہ آنے کی تصریح کی ہے، اور اس کی دلیل حضرت یعقوب علیہ السلام کو مصر سے شام، اور یوسف علیہ السلام کو شام سے مصر اپنے آباء کے پاس منتقل کئے جانے، اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی میت کو مدینہ منورہ منتقل کئے جانے کی بیان کی ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک شہر میں فوت ہو جائے، تو اس کو دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا اس لیے مکروہ ہے، کیونکہ اس میں بے فائدہ چیز میں مشغول ہونا پایا جاتا ہے، اس لئے کہ پوری زمین اس مقصد کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اور اس کی وجہ سے دفن کرنے میں تاخیر بھی لازم آتی ہے، جو کراہت کے لئے کافی ہے۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] القتيل والميت يستحب ان يدفن كل واحد فى المكان الذى قتل،او مات فيه فى مقابر أولئک القوم لما روى عن عائشة -رضى الله عنها -أنها زارت قبر أخيها عبد الرحمن بن أبى بكر كان مات فى الشام وحمل من هنالک فقالت :لو كان الأمر فيک بيدى ما نقلتک ولدفنتک حيث مت.

ولكن مع هٰذا ان نقل ميلا أو ميلين،او نحو ذلک فلا بأس به .

قال :والمعنىٰ فيه ان المسافة الى المقابر قد تبلغ هٰذ االمبلغ،ولابد من ذلک.

وان نقل من بلد الى بلد فلا اثم فيه،لانه روى أن يعقوب عليه السلام مات بمصر فحمل إلى أرض الشام، وموسى صلوات الله عليه حمل تابوت يوسف -عليه السلام -بعد ما أتى عليه زمان إلى أرض الشام من ارض مصر ليكون مع آبائه .وسعد بن أبى وقاص مات فى ضيعة على أربعة فراسخ من المدينة فحمل على أعناق الرجال إلى المدينة.

قال: وذكر ان الرجل اذا مات فى بلد،يكره ان ينقل الىٰ بلد اٰخر،لانه اشتغال بما لا يفيد،اذاالارض كلها كفات الاموات،ولان فيه تاخير دفنه،وكفى بذلک كراهية(كتاب التجنيس والمزيد،لصاحب الهداية،ج۲،ص ۲۸۱،الٰى ۲۸۳،باب فى الجنائز،فصل فى الدفن،رقم المسئلة:۱۰۳۲،مطبوعة: ادارة القران،كراتشى)

www.idaraghufran.org

قاضی خان اُوزجندی(المتوفٰی: 592ھ) نے ''فتاویٰ قاضی خان''میں اورعلامہ ابنِ نجیم حنفی(المتوفٰی:970ھ) نے درسِ نظامی کی فقہی کتاب''کنزُ الدقائق '' کی شرح''البحرُ الرائق ''میں،اور''تبیینُ الحقائق ''کے''حاشیۃُ الشلبی ''میں بھی اسی کواختیارکیا ہے،اور قریب، یادور کے فاصلہ کی قیدوشرط لگائے بغیر،ایک شہر سے دوسرے شہرکی طرف منتقل کرنے کے گناہ نہ ہونے کی تصریح کی ہے۔

اس سے معلوم ہواکہ کئی جلیلُ القدرحنفیہ کےنزدیک میت کوایک شہر سے دوسرے شہرکی طرف منتقل کرنا،گناہ نہیں،البتہ بلا وجہ بے فائدہ ہونے اور پوری زمین اس مقصد کے لیے کافی ہونے اور تدفین میں تاخیرلازم آنے کی وجہ سے مکروہ ہے،اوریہ مکروہ''تنزیہی''درجہ کاعمل ہے،ورنہ اگرمکروہ تحریمی ہوتا،تواس کے گناہ ہونے کی نفی نہ کی جاتی۔

اوراگرمیت کوایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں کسی مصلحتِ دینی ،یاضرورت کی خاطرمنتقل کیا جائے،جیسا کہ اپنے اعزہ واقرباءاورخاندان والوں کےقریب دفن کرنا،تاکہ زیارتِ قبوروغیرہ میں سہولت حاصل ہو، یافوت شدہ علاقہ میں تدفین کاعمل مشکل ہو،اورنقل وحمل کا ذریعہ بھی قابلِ راحت اورآج کل کی سواری کی طرح تیزترین میسرہو،جس کی وجہ سے میت خراب اورمتعفن نہ ہوتی ہو،توپھراس میں بے فائدہ چیزمیں مشغول ہونے،اورغیرمعمولی تاخیرلازم آنے کی علت بھی باقی نہ رہے گی۔

اس کے برعکس بعض حنفیہ نے میت کوایک شہر سے،دوسرے شہرکی طرف منتقل کرنے کومکروہ تحریمی کا درجہ دے دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو:حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص ۶۱۴،باب أحکام الجنائز،فصل فی حملھا و دفنھا)

اس لیےاول تو جب جلیلُ القدرحنفیہ کے بڑے طبقہ کےنزدیک بھی تدفین سے پہلے میت کوایک شہر سے،دوسرے شہرکی طرف منتقل کرنا گناہ نہیں،اور بلاضرورت منتقل کرنا،مکروہ تنزیہی درجہ کاعمل ہے،تواس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حنفیہ کےنزدیک بھی یہ مسئلہ مجتہد فیہ ومختلف فیہ مسائل میں سے ہے۔

اوردلیل کی رو سے مکروہ تحریمی ہونے کا قول راجح نہیں، جب تک کوئی دوسرا منکرلازم نہ آئے،

www.idaraghufran.org

کیونکہ شہید کے علاوہ عام میت کو فی نفسہٖ منتقل کرنے کی ممانعت وارد نہیں، البتہ بعض روایات میں ناپسندیدگی کا ذکر ملتا ہے۔

پس ایسی صورت میں بعض علماء کی طرف سے، بہر حال ایک شہر سے، دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے کے متعلق، صرف ایک کراہتِ تحریمی والے قول پر مُصِر رہنا مناسب نہیں۔

دوسرے جب حنفیہ نے خود تصریح کی ہے کہ میل، دو میل کا فاصلہ اس لیے مکروہ نہیں کہ اتنے فاصلہ پر قبرستان ہوا کرتے ہیں، اور دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے میں تاخیر کی خرابی لازم آتی ہے، تو یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ موجودہ دور کے بڑے شہروں اور قبرستان کے فاصلے اس سے بھی زیادہ ہوتے ہیں، اور پہلے زمانہ میں جس قدر مسافت طے کرنے میں جتنا وقت لگتا تھا، اور اس کی وجہ سے تدفین میں تاخیر لازم آتی تھی، آج کے دور میں تیز ترین اور آرام دہ سفر کے ذرائع میں اس سے زیادہ مسافت طے کرنے میں اتنی تاخیر لازم نہیں آتی، اور میت کے پھولنے پھٹنے سے بھی حفاظت رہتی ہے، تو پھر اس صورتِ حال میں کراہت کا حکم ختم ہوسکتا ہے، بالخصوص جبکہ غرض بھی محمود و مستحسن ہو، مثلاً اعزہ وقرباء کے قریب، یا نیک صالح لوگوں کے قریب دفن کرنا، یا متبرک مقام میں تدفین وغیرہ۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مطلق کراہت سے مراد ''مکروہ تنزیہی'' ہوا کرتا ہے۔
جبکہ حنفیہ کے نزدیک مطلق کراہت سے بعض صورتوں میں کراہتِ تحریمی مراد ہوا کرتی ہے، لیکن اگر کراہتِ تنزیہی کی تصریح ہو، یا دلیل کا تقاضا کراہتِ تنزیہی کا ہو، تو پھر اس کو کراہتِ تنزیہی پر محمول کیا جاتا ہے۔ محمد رضوان۔

واللہ تعالیٰ أعلم.

شافعیہ کا مذہب

دفن سے پہلے میت کو دوسرے شہر کی طرف، جبکہ وہ شہر متصل نہ ہو، یا دور دراز مقام پر منتقل کرنا، بعض شافعیہ کے نزدیک حرام، اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے تدفین میں تاخیر، اور میت کی بے حرمتی لازم آتی ہے، البتہ اگر کوئی معتبر ضرورت ہو، یا کسی قریبی متبرک مقام کی طرف، یا قریب کے نیک لوگوں کی قبروں کے قریب منتقل کیا جائے، یا فوت شدہ مقام والا مقبرہ، اہلِ بدعت واہلِ فسق پر مشتمل ہو، اور منتقل کرنے سے میت میں تغیر بھی پیدا نہ ہوتا ہو، تو پھر دوسرے دور والے

www.idaraghufran.org

مقام وشہر کی طرف منتقل کرنا حرام، یا مکروہ نہیں، بلکہ جائز، یا مستحب ہے۔

(ملاحظہ ہو: المجموع شرح المهذب، ج۵، ص ۳۰۳، کتاب الجنائز، النجم الوهاج فی شرح المنهاج، ج۳، ص ۱۱۵، کتاب الجنائز، نهاية الزين فی إرشاد المبتدئين، ص ۱۶۳، فصل فی الجنائز، حاشية قليوبی، ج۱، ص ۴۱۲، کتاب الجنائز، المهمات فی شرح الروضة والرافعی، ج۳، ص ۵۱۳، کتاب الجنائز)

آج کل شہروں کے بیشتر قبرستانوں میں ہر طرح کی بدعات، منکرات اور خرافات کا دور دورہ ہے، جگہ جگہ قبرستانوں میں مجاوروں نے ڈیرے جما کر بدعات کے اڈے قائم کر لیے ہیں، جہاں عرس، ڈھول تاشے سب کچھ ہوتے ہیں، منشیات کے دھندے بھی وہاں انجام دیئے جاتے ہیں، صفائی ستھرائی کا بھی خاص اہتمام نہیں، بلکہ بعض علاقوں میں تو ہر طرح کی گندگی، قبرستان میں ڈال دی جاتی ہے، اور گندے نالوں کو بھی قبرستان کی طرف چھوڑ دیا جاتا ہے، سیلابی ریلے بھی قبرستان سے گزرتے ہیں، جن سے قبروں کو نقصان پہنچتا ہے۔

اگر کوئی اس قسم کی بدعات ومنکرات اور گندگی وغیرہ سے حفاظت کے لیے میت کو محفوظ مقام کی طرف منتقل کرے، تو یہ مقصود بھی شرعی لحاظ سے معتبر شمار کیے جانے کے قابل ہے۔

حنابلہ کا مذہب

حنابلہ کے نزدیک شہید کو بطورِ خاص مقامِ شہادت سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممنوع ہے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مقتولین کو شہادت والی جگہ میں لوٹانے کا حکم آیا ہے، اور شہید کے علاوہ دوسرے شخص کی میت کو دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنا، بعض حنابلہ کے نزدیک مکروہ ہے، لیکن امام احمد کی تصریح کے مطابق مکروہ نہیں، خواہ دوسرا مقام، دوسرا شہر کیوں نہ ہو۔

خاص کر جبکہ کسی ''غرضِ صحیح'' کی وجہ سے منتقل کیا جائے، جیسا کہ عزیز واقارب کے ساتھ دفن کرنا مقصود ہو، تو مکروہ نہیں، کیونکہ یہ ''غرضِ صحیح'' میں داخل ہے۔

اسی طرح اگر کسی متبرک مقام، یا صالح شخص کی قبر کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے منتقل کیا جائے، اور میت میں تغیر پیدا نہ ہو، تو حنابلہ کے نزدیک میت کو منتقل کرنا، بلا کراہت جائز ہے۔

(ملاحظہ ہو: المغنی لابن قدامة، ج۲، ص ۳۸۰، کتاب الجنائز، مختصر الإفادات فی رُبع العبادات والآداب وزيادات، ص ۱۹۵، كَتَابُ الجَنَائِزِ، الفروع لابن مفلح، ج۳، ص ۳۲۷، باب الدفن، الإنصاف فی معرفة الراجح

www.idaraghufran.org

من الخلاف، ج۲، ص ۲۴۹، کتَابُ الجَنائِزِ، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، تحت رقم الحدیث ۴۴۵۲، کتاب الفروع، ج۳، ص ۳۹۱، کتاب الجنائز، باب الدفن، الإقناع فی فقه الإمام أحمد بن حنبل، ج ۱، ص ۲۳۴، کتاب الجنائز، کشف المخدرات، لعبد الرحمن بن عبد الله الخلوتی الحنبلی، ج ۱، ص ۲۳۸، کتاب الجنائز)

مالکیہ کا مذہب

بعض مالکیہ کی تصریح کے مطابق مالکیہ کا ظاہری مذہب یہ ہے کہ میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنا جائز ہے، کیونکہ امام مالک نے موطأ میں روایت کیا ہے کہ سعد بن ابی وقاص، اور سعید بن زید کی وفات ''مقامِ عقیق'' میں ہوئی تھی، اور ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں مدینہ منورہ میں لاکر دفن کیا گیا تھا، جس پر کسی کی طرف سے نکیر وانکار نہیں کیا گیا تھا۔

(ملاحظہ ہو: شرح التلقین، للمازری، ج ۱، ص ۱۲۰۱، کتاب الجنائز، عقد الجواهر الثمینة فی مذهب عالم المدینة، ج ۱، ص ۱۹۶، کتاب الجنائز)

جبکہ مالکیہ کی فقہی کتابوں میں مذکور مشہور مذہب کے مطابق دفن سے پہلے، اور دفن کے بعد چند شرائط کے ساتھ میت کو منتقل کرنا جائز ہے، ایک شرط تو یہ ہے کہ منتقل کرنے کی حالت میں میت پھٹ نہ جائے، اور دوسری شرط یہ ہے کہ میت کی بے حرمتی لازم نہ آئے، اور تیسری شرط یہ ہے کہ کسی مصلحت سے منتقل کیا جائے، جیسا کہ باعثِ برکت مقام کی طرف حصولِ برکت کی غرض سے منتقل کرنا، یا اپنے فوت شدہ اہلِ خانہ کے قریب دفن کرنا، یا اپنے زندہ اہلِ خانہ کے قریب دفن کرنا مقصود ہو، تاکہ زیارتِ قبور میں سہولت حاصل ہو، تو گناہ نہیں۔

(ملاحظہ ہو: منح الجلیل شرح مختصر خلیل، ج ۱، ص ۵۰۴، فصل فیما یتعلق بالمیت، لوامع الدرر فی هتک أستار المختصر، ج ۳، ص ۱۳۸، الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۲۱، ص ۱۰، مادة "دفن" الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ، ج ۲، ص ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، القسم الاول، الباب الثانی، الفصل العاشر، المبحث الثامن، المطلب الثانی)

بعض مالکیہ نے ان شرائط کے ساتھ، ایک شرط منتقل ہونے والی جگہ کے قریب ہونے کی بھی بیان کی ہے۔

(ملاحظہ ہو: شرح مختصر خلیل للخرشی، ج ۲، ص ۱۳۳، فصل صلاة الجنازة)

جس کی وجہ غالبًا میت کی بے حرمتی اور اس میں تغیر پیدا ہونے سے حفاظت ہے، اسی لیے مالکیہ نے

www.idaraghufran.org

میت کی بے حرمتی لازم آنے کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح منتقل نہ کیا جائے کہ اس کی تحقیر لازم آئے، اور مسافت کا قریب ہونا، اور موسم کا معتدل ہونا، اور میت کو نرمی کے ساتھ خشک کرنا بھی میت کو بے احترامی سے بچانے میں شامل ہے۔

(ملاحظہ ہو: الشرح الكبير، ج ۱، ص ۴۲۱، فصل ذكر فيه أحكام الموتى، حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، ج ۱، ص ۴۲۱، فصل أحكام الموتى، مندوبات تتعلق بالدفن)

اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ آج کل سفر و اسفار کی سہولیات و اسباب اور برق رفتاری میں گذشتہ زمانوں کے مقابلہ میں بے تحاشا اضافہ ہوگیا ہے، اور مریض و میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے مخصوص ''ایمبولینسز'' ایجاد کی جاچکی ہیں، جن میں متعلقہ شخص کو آرام سے لٹا کر، اور حسبِ منشاء ''ایرکنڈیشنز'' کے ذریعہ، درجہ حرارت پیدا کر کے مختصر وقت میں دور دراز منتقل کیا جاسکتا ہے، بلکہ آج کل کے ہوائی جہازوں میں بھی اس قسم کی سہولیات موجود ہیں۔

اور امام شوکانی (المتوفیٰ: 1250ھ) نے ''نیلُ الاوطار'' میں سعد بن ابی وقاص، اور سعید بن زید کو ''مقامِ عقیق'' سے ''مدینہ منورہ'' منتقل کئے جانے کی روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''اس واقعہ سے میت کو مقامِ وفات سے دوسرے مقام کی طرف دفن کرنے کے لئے منتقل کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور اصل جواز ہے، جس سے ممانعت کی دلیل کی وجہ سے ہی منع کیا جاسکتا ہے''۔ انتہٰی۔

(ملاحظہ ہو: نيل الأوطار، للشوكاني، ج ۴، ص ۱۳۷، باب ما جاء في الميت ينقل أو ينبش لغرض صحيح)

اور اہلِ حدیث مسلک سے تعلق رکھنے والے ''محمد اشرف العظیم آبادی'' (المتوفیٰ: 1329ھ) نے ابوداؤد کی شرح میں ''نقلِ میت'' سے متعلق مختلف آثار نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''ان آثار میں میت کو مقامِ وفات سے دوسرے مقام کی طرف دفن کرنے کے لئے منتقل کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور اصل جواز ہے، جس سے ممانعت کی دلیل کی وجہ سے ہی منع کیا جاسکتا ہے، اور جہاں تک جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ہے، تو اس میں شہداء کو مقامِ شہادت کی طرف لوٹانے کا حکم ہے، جبکہ ان کو وہاں سے منتقل کیا گیا ہو، لہٰذا یہ حکم شہداء کے ساتھ مختص ہے''۔ انتہٰی۔

(ملاحظہ ہو: عون المعبود شرح سنن أبي داود، ج ۸، ص ۳۱۰، باب في الميت يحمل من أرض إلى أرض)

www.idaraghufran.org

امام مالک نے سعد بن ابی وقاص، اورسعید بن زید کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان دونوں کی وفات ''مقامِ عقیق'' میں ہوئی تھی، اوران کو مدینہ منورہ میں لاکر دفن کیا گیا تھا۔

(ملاحظه هو:موطأ الإمام مالک،رقم الحديث ۳۱)

بعض روایات میں صراحت ہے کہ ''مقامِ عقیق'' کا فاصلہ ''مدینہ منورہ'' سے دس میل کا تھا۔

(ملاحظه هو:المعجم الكبير،للطبرانی،رقم الحديث ۳۰۲)

اورامام حاکم نے اپنی ''مستدرک'' میں فرمایا کہ:

''سعید بن زید کو مقامِ عقیق سے گردنوں پر اٹھا کر مدینہ منورہ لایا گیا تھا''

(ملاحظه هو:مستدرک للحاكم،تحت رقم الحديث ۵۸۵۱،ذكر مناقب سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل عاشر العشرة رضی الله عنه)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ دس گیارہ میل کا پیدل سفر کرنے میں غیر معمولی وقت لگا ہوگا۔

اورابن عبدالبر قرطبی مالکی نے ''الاستذکار'' میں اس مسئلہ کے متعلق نہایت معتدل موقف اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اوراس مسئلہ میں سلف اور بعد کے حضرات کا اختلاف ہے، بعض نے حدیثِ جابر اور حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہما وغیرہ، سے استدلال کرتے ہوئے میت کے منتقل کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، لیکن مسلمانوں کا ہر زمانہ میں یکے بعد دیگرے، میت کو اپنے گھروں سے قبرستان کی طرف منتقل کرنے پر اجماع رہا ہے، جو منتقل کرنے کے جواز کی دلیل ہے۔

اور حدیثِ جابر، شہداء کے ساتھ مختص ہے، اور حضرت عائشہ اپنے بھائی کی تدفین، مکہ مکرمہ میں چاہتی تھیں، تاکہ لوگوں کو زیارتِ قبور اور دعاء وغیرہ میں آسانی رہے، اورسعد بن ابی وقاص، اورسعید بن زید، دونوں کو ''مقامِ عقیق'' سے مدینہ منورہ کی طرف صحابہ، اورتابعین کے جمِ غفیر کی موجودگی میں نکیر کے بغیر منتقل کیا گیا تھا۔

اس لیے میت کو منتقل کرنا، نہ تو بدعت ہے، اور نہ ہی سنت ہے، پس مومن اس کو اختیار کر سکتا ہے''۔انتھٰی۔

(ملاحظه هو:الاستذكار،لابن عبد البر،ج۳،ص۵۸،كتاب الجنائز،باب ما جاء فی دفن الميت)

www.idaraghufran.org

مذکورہ روایات سے متعدد حنفیہ نے بھی ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے کے گناہ نہ ہونے پر استدلال کیا ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا۔

ملا علی قاری نے مرقاۃ میں ''الازھار'' سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''بظاہر منتقل کرنے کی ممانعت شہداء کے ساتھ مختص ہے، کیونکہ سعد بن ابی وقاص کو ''مقامِ عقیق'' سے مدینہ منورہ کی طرف صحابہ کے جمِ غفیر کی موجودگی میں منتقل کیا گیا تھا، جس پر انہوں نے نکیر نہیں فرمائی تھی، اور زیادہ راجح یہ ہے کہ ممانعت کو دفن کرنے کے بعد عذر کے بغیر منتقل کرنے پر محمول کیا جائے''۔انتہٰی۔

(ملاحظہ ہو: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۲۲۰، باب دفن المیت)

اور مشائخِ دیوبند کے مشہور محدث علامہ انور شاہ کشمیری نے سنن ترمذی کی شرح ''العرف الشذی'' میں عبدالرحمٰن بن اَبی بکر کے متعلق روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''اور یہ حدیث میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنے کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے، لیکن ہماری عام کتابوں میں ناجائز ہونے کا حکم مذکور ہے اور ''البحر'' میں مسافتِ قریبہ میں جواز اور بعیدہ میں عدمِ جواز کا حکم مذکور ہے، تاہم (حدیث کے علاوہ) سلف سے بھی منتقل کرنے کا ثبوت ملتا ہے''۔انتہٰی۔

(ملاحظہ ہو: العرف الشذی شرح سنن الترمذی، ج ۲، ص ۳۴۲، باب ماجاء فی زیارۃ القبور للنساء)

مطلب یہ ہے کہ حدیث کے ساتھ ساتھ سلف سے بھی میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

علامہ کشمیری کا یہ رجحان ان جلیلُ القدر حنفیہ کی تصریح کے مطابق ہے، جو ایک شہر سے، دوسرے شہر کی طرف میت کو منتقل کرنے کو گناہ قرار نہیں دیتے، اور انہوں نے مذکورہ حدیث اور سلف کے واقعات سے استدلال فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ تدفین سے پہلے اکثر فقہائے کرام کے نزدیک، کسی معتبر مصلحت کی خاطر میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف، میت کی بے حرمتی، اور میت کے پھولنے پھٹنے سے بچنے کا اہتمام کرتے ہوئے منتقل کرنے کی گنجائش ہے، لیکن اس کو عام معمول بنالینا، اور بلا وجہ منتقل کرنے کو

www.idaraghufran.org

رواج دینا، شریعتِ مطہرہ کے عام اور متوارث معمول کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناپسندیدہ عمل ہے۔

پس میت کو منتقل کرنے کی غرض ومقصد اور طریقۂ کار کو نظر انداز کر کے، تمام صورتوں پر یکساں حکم نہیں لگانا چاہیے، اور اس قسم کے مواقع پر اصحابِ علم کو اجتہادی واختلافی مسائل کو ملحوظ رکھ کر ہی حکم لگانا چاہیے، اور بے شک دلائل کی رو سے کسی مجتہد کے موقف ومذہب کو ترجیح دی جائے، اس میں حرج نہیں، لیکن ساتھ ہی اجتہادی مسائل پر بے جا نکیر وانکار سے اجتناب کرنا چاہیے، اور ان مسائل کو ذاتی اَنا اور تعصب وتحزب کا مسئلہ بنا کر ایک دوسرے پر طعن وتشنیع کرنے، اور ان کی وجہ سے دوسرے پر بدعت کا مرتکب ہونے، یا اس کی وجہ سے دوسرے پر بدعتی ہونے کا حکم لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

واللّٰہ تعالٰی أعلم. (جاری ہے............)

www.idaraghufran.org

عبرت کدہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام: قسط 79 مولانا طارق محمود

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَ بْصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت موسیٰ کا انتخاب برائے رسالت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کی زیارت کو طلب کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم مجھے نہیں دیکھ سکتے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی تلافی میں، دوسری عظیم نعمتیں عطا فرمائیں گویا کہ یوں فرمایا کہ اگر تم کو زیارت کی دولت حاصل نہیں ہوئی، تو تم رنجیدہ نہ ہو، اور نہ اللہ تعالیٰ کی زیارت نہ ہونے سے ملول ہو، میں تمہیں ایک اور عظیم نعمت عطا فرما رہا ہوں، وہ میری رسالت اور میرا کلام ہے، سو تم اس نعمت پر میرا شکر ادا کرو۔ [1]

قرآن مجید کی سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ فَخُذْ مَآ اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ (سورۃ الاعراف، رقم الآیۃ ۱۴۴)

یعنی ”فرمایا اے موسیٰ! بیشک میں نے چن لیا ہے تجھے لوگوں پر، اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے ساتھ، پس پکڑ لے جو میں نے دیا ہے تجھے، اور ہو جا شکر کرنے والوں میں سے“

مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنا پیغامِ ہدایت پہنچانے کے لئے آپ کے ہم عصروں میں سے آپ کو چن لیا ہے، اور آپ کو بلاواسطہ کلام کرنے کی عزت سے ممتاز کیا ہے، اور وہی عزت وشرف بخشا

---

[1] قوله عز وجل: قال يا موسى إني اصطفيتک على الناس برسالاتی وبكلامي يعني قال الله تعالى لموسى عليه الصلاة والسلام يا موسى إني اخترتک واتخذتک صفوة .الاصطفاء الاستخلاص من الصفوة والاجتباء والمعنى إني فضلتک واجتبيتک على الناس وفى هذا تسلية لموسى عليه الصلاة والسلام عن منع الرؤية حين طلبها لأن الله تعالى عدد عليه نعمه التى أنعم بها عليه وأمره أن يشتغل بشكرها كأنه قال له إن كنت منعت من الرؤية التى طلبت فقد أعطيتک من النعم العظيمة كذا وكذا فلا يضيقن صدرک بسبب منع الرؤية وانظر إلى سائر أنواع النعم التى خصصتک بها ويه الاصطفاء على الناس برسالاتى وبكلامي يعني من غير واسطة لأن غيره من الرسل منع كلام الله تعالى إلا بواسطة الملک(تفسير الخازن، ج۲ص۲۴۷، سورة الاعراف)

www.idaraghufran.org

ہے، جو اپنے دوسرے رسولوں کو بخشتا ہوں، اور آپ کو جو نعمت دی جا رہی ہے، اس کو بصد شوق و مسرت قبول کریں، اور اس کو مضبوطی سے پکڑ رکھیں، اور برابر میرے شکر گزار رہیں، یعنی اس نعمت کا صحیح صحیح حق ادا کریں، خود بھی دل و جان سے اس کی قدر کریں، اور دوسروں کو بھی یہ بتائیں، اور سکھائیں، اور اپنا فرضِ منصبی ادا کریں، اور ان باتوں کے متعلق سوال نہ کریں، جو آپ کی طاقت سے باہر ہیں اور کوئی انسان اس کا متحمل نہیں، اور میں نے آپ کو اپنے کلام اور اپنے پیغام سے لوگوں پر جو بزرگی بخشی ہے، آپ کے شرف کے لئے وہی کافی ہے، اور جو کچھ آپ کو عطاء ہوا ہے، وہی بہت ہے، اسی پر قناعت کریں اور میرے دیدار کی خواہش نہ کریں۔

اس آیت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں حضرت موسیٰ کی کیا خصوصیت ہے، اللہ تعالیٰ نے دیگر حضرات کو بھی رسول بنایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو رسالت اور کلام دونوں کے مجموعہ سے نوازا ہے۔

حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو عظیم نعمتیں عطاء کی گئیں، ایک رسالت اور دوسرا اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی، اور یہ نعمتیں اپنے زمانہ کے اعتبار سے امتیازی طور پر دی گئی تھیں، لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولین و آخرین انبیاء کے سردار ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر رسالت کو ختم فرما دیا، اور قیامت تک آپ ہی کی شریعت جاری رہے گی، اور تمام انبیاء اور رسولوں سے آپ کے تابعداروں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ [1]

---

[1] یذکر تعالی أنه خاطب موسی بأنه اصطفاه علی أهل زمانه برسالاته تعالی وبكلامه ولا شک أن محمدا صلی الله علیه وسلم سید ولد آدم من الأولین والآخرین ولهذا اختصه الله تعالی بأن جعله خاتم الأنبیاء والمرسلین الذی تستمر شریعته إلی قیام الساعة وأتباعه أکثر من أتباع سائر الأنبیاء والمرسلین کلهم وبعده فی الشرف والفضل إبراهیم الخلیل علیه السلام ثم موسی بن عمران کلیم الرحمن علیه السلام ولهذا قال الله تعالی له: فخذ ما آتیتک أی من الکلام والمناجاة وکن من الشاکرین أی علی ذلک ولا تطلب ما لا طاقة لک به(تفسیر ابنِ کثیر، ج۳ص ۴۲۵، ۴۲۶، سورة الاعراف)

وقوله تعالی: " قال یا موسی إنی اصطفیتک علی الناس برسالاتی وبكلامی "أی فی ذلک الزمان، لا ما قبله، لأن إبراهیم الخلیل أفضل منه، کما تقدم بیان ذلک فی قصة إبراهیم، ولا ما بعده لأن محمدا صلی الله علیه وسلم أفضل منهما، کما ظهر شرفه لیلة الإسراء علی جمیع المرسلین والأنبیاء، وکما ثبت أنه قال: " سأقوم مقاما یرغب إلی الخلق حتی إبراهیم ."

وقوله تعالی: " فخذ ما آتیتک وکن من الشاکرین "أی فخذ ما أعطیتک من الرسالة والکلام، ولا تسأل زیادة علیه، وکن من الشاکرین علی ذلک(قصص الانبیاء لابنِ کثیر، ج۲ ص۱۱۶، ذکر قصة موسی الکلیم علیه الصلاة والتسلیم)

www.idaraghufran.org

طب و صحت

حکیم مفتی محمد ناصر

گوشت (Meat) کے طبی خواص و فوائد

گوشت فارسی زبان کا لفظ ہے، بکرے کے گوشت کو چھوٹا گوشت اور بیل، گائے یا بھینس وغیرہ کے گوشت کو بڑا گوشت کہا جاتا ہے، سائنسی اور طبی اعتبار سے گوشت کو ایک صحت مند کھانا تصور کیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں لحمیات (پروٹین) خاصی تعداد میں ہوتے ہیں۔

جانور کو جب ذبح کیا جاتا ہے، تو ذبح ہونے سے جانور کے خون کے ساتھ اس کے جسم سے زہریلے مواد، کاربن ڈائی آکسائیڈ اور دیگر فضلات، بھی خارج ہوجاتے ہیں، اور زبان سے اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کرنے سے اس جانور کا گوشت حلال، اور انسانی صحت کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے۔

اس کے برعکس اگر کوئی جانور مَر جائے، تو اس کے گوشت میں زہریلے مواد اور فضلات باقی رہ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے اس جانور کا گوشت انسانی صحت کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔

گوشت ہمیں مختلف جانوروں کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے، اسلام میں ہر جانور کا گوشت حلال نہیں بلکہ مخصوص جانوروں کا گوشت حلال ہے، ان جانوروں میں اونٹ، بھینس، گائے، بھیڑ، بکری، ہرن، خرگوش، مرغی اور مچھلی وغیرہ، کی زیادہ تر اقسام شامل ہیں، اس کے علاوہ پرندوں کی کچھ اقسام بھی حلال ہیں۔

حلال جانوروں کا گوشت جس قسم کا بھی ہو، عمومی طور پر گوشت پروٹین اور وٹامن کا بھرپور خزانہ ہے، اور گوشت جزوِ بدن بن کر جسمِ انسانی میں حرارتِ غریزی اور قوتِ طبعی پیدا کرتا ہے۔

انسانی جسم کے تمام تر خلیات بھی چونکہ پروٹین سے ہی بنتے ہیں، اس لئے جسمانی نشوونما اور صحت کے لئے گوشت کا اعتدال کے ساتھ استعمال بہت ضروری ہے۔

ماہرینِ غذا کے مطابق سبزیوں اور دالوں سے بھی ہم پروٹین حاصل کرتے ہیں، لیکن انسانی صحت کے لئے حیوانی پروٹین، نباتاتی پروٹین سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

گوشت کے استعمال کا سب سے پہلا مروجہ استعمال آگ پر بھون کر کھانا ہے، اور اس کے بعد گھی،

www.idaraghufran.org

پانی اور مصالحہ جات کی مدد سے گوشت کو تنہا یا سبزیوں اور دالوں کے ساتھ آمیزہ کر کے ہانڈی میں پکا کر استعمال کرنا ہے، کیونکہ حلال جانوروں کی متعدد اقسام ہیں، اور مختلف حیوانات کے گوشت کی ہضم اور غذائیت کے لحاظ سے بھی خاصیتیں مختلف ہیں، اس لیے ہر جانور کے گوشت کے طبی خواص اور فوائد و مضرات بھی مختلف ہیں۔

اونٹ کا گوشت

اونٹ سبزی خور جانور ہے، اور اس کی پسندیدہ غذا میں گھاس، اناج، گندم، خشک جھاڑیاں اور جڑی بوٹیاں شامل ہیں۔

اونٹ کے گوشت کا ریشہ، اس کی عمر کے مطابق ریشہ نرم یا سخت ہوتا ہے، ذائقہ کے لحاظ سے قدرے نمکین اور رنگت کے لحاظ سے سُرخی مائل ہوتا ہے، اچھے طریقہ سے تیار کیا جائے، تو اس کا گوشت لذیذ و فرحت بخش ہے، اونٹ کے گوشت میں چربی گلانے کا خاصہ بھی ہے، اس لئے وہ امراض جو چربی پیدا ہونے سے وجود پاتے ہیں، مثلاً کولیسٹرول کی زیادتی اور موٹاپا وغیرہ کے لئے اونٹ کا گوشت مفید ہے، نیز اونٹ کا گوشت اپنے مزاج کے اعتبار سے دل کے مریضوں کے لئے بھی مفید بیان کیا گیا ہے، اس کے علاوہ کالے یرقان اور پیشاب کی جلن کے مرض میں بھی اونٹ کا گوشت مفید ہے، نیز کولہے اور لنگڑی (یعنی عرق النساء، شیاٹیکا) کا درد بھی اونٹ کے گوشت کے استعمال سے دُور ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے گھروں میں پائی جانے والی دیمک کے خاتمہ کے لئے یہ ٹوٹکا بیان کیا ہے کہ اگر اونٹ کے گوشت کی ہڈیوں کو عمارت کے چاروں کونوں میں دفن کر دیا جائے، تو اس عمارت میں دیمک نہیں لگتی۔

مزاج کے اعتبار سے بعض اطباء اونٹ کے گوشت کو تر سرد قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض اطباء اپنے تجربات کی روشنی میں اس کے گوشت کو گرم خشک قرار دیتے ہیں (المفردات الاسلامی، مصنفہ حکیم فیض محمد فیض، مطبوعہ: فیض الحکمت، اسلامیہ کالج، اوکاڑا، کتاب المفردات، مصنفہ: حکیم مظفر حسین اعوان، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز)

www.idaraghufran.org

اخبارِ ادارہ مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب وروز

□......24 ذیقعدہ/ و یکم/ 8/ 15/ ذی الحجہ 1443ھ بروز جمعہ متعلقہ مساجد میں وعظ ومسائل کے سلسلے حسبِ معمول ہوئے۔

□......26 ذیقعدہ/ و3/ 10/ 17/ ذی الحجہ 1443ھ، بروز اتوار مدیر صاحب کی اصلاحی مجالس صبح تقریباً ساڑھے دس بجے ادارہ غفران میں منعقد ہوتی رہیں۔

□......10/ ذی الحجہ، بروز اتوار، مسجدِ غفران میں عیدالاضحیٰ 1443ھ کی نماز، صبح 6:00 بجے ادا کی گئی، مسجد بلال (صادق آباد) میں بھی چھ بجے اور مسجد نسیم میں 5:20 پر عیدُ الاضحیٰ کی نماز ادا کی گئی۔

گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی ادارہ غفران کے زیرِ انتظام اجتماعی قربانیوں کا انتظام کیا گیا تھا، چنانچہ اجتماعی قربانیوں کے مکمل ذبیحے کا عمل روات کے علاقہ میں قائم ہونے والی ادارہ کی شاخ میں کیا گیا، عید کے پہلے دن رات تک 100 جانور ذبح ہوئے، جبکہ دوسرے دن عصر تک مزید 69 جانور ذبح ہوئے، شرکاء اپنے اپنے حصہ کے مطابق ادارہ سے، اور روات سے اپنے حصوں کا گوشت لے جاتے رہے۔

مجموعی طور پر 168 بڑے جانور اور 34 بکرے ذبح ہوئے۔

افرادِ عملہ اجتماعی قربانیوں کی خدمات سے فراغت پر عید کے تیسرے دن سے 22/ ذی الحجہ بروز جمعہ تک کے لئے رخصت پر تشریف لے گئے۔

□......تعطیلاتِ عیدُ الاضحیٰ کے بعد 18/ ذی الحجہ (18/ جولائی) بروز پیر سے تعمیرِ پاکستان سکول کا دفتر کھلنے، اور سکول کے زیرِ انتظام اکیڈمی میں تعلیمی سلسلہ کا آغاز ہوا۔

﴿......اعلان......﴾

کاغذ کی قیمت میں غیر معمولی گرانی ہونے اور نایابی کے باعث، سرِ دست ماہنامہ ’’التبلیغ‘‘ کے صفحات میں کمی کی جارہی ہے، جس کی وجہ سے بعض غیر ضروری سلسلوں کو بھی موقوف رکھا گیا ہے۔

ازطرف

ادارہ

www.idaraghufran.org